جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالم ربانی محدث کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

اپریل سنہ ۱۹۹۳ء

شوال المکرم سنہ ۱۴۱۳ھ

L/7878

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۱ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ ۔ اپریل ۱۹۹۳ء شمارہ : ۷

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک :

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ...... سالانہ	۱۰۰ روپے
سعودی عرب ۔ متحدہ عرب امارات .... //	۴۵ ریال
بھارت ۔ بنگلہ دیش .... //	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ .... //	۱۶ ڈالر
برطانیہ .... //	۱۴ ڈالر

رابطہ کے لیے

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور ، کوڈ ۵۴۰۰۰

فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۵۳۸۸

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ـــــ ۳

سیرۃ مبارکہ ـــــ حضرت اقدس مولانا سیّد محمّد میاں ـــــ ۶

نعتِ بحضورِ ساقیٔ کوثر صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ... حضرت اقدس سیّد انور حسین نفیس ـــــ ۱۰

درسِ حدیث ـــــ حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں ـــــ ۱۱

مولانا محمّد اسحاق صاحب ـــــ حافظ ذکاء الرحمٰن اختر ـــــ ۱۴

آہ ! مرحومہ ریحانہ آپا صاحبہ ـــــ سلیمہ بنت حامد بن محمّد ـــــ ۲۰

نفس سے خطاب ـــــ مرحومہ سیّدہ ریحانہ مدنی ـــــ ۲۳

مروجہ سنہ عیسوی ـــــ مولانا عبدالرّشید نعمانی ـــــ ۲۶

مکتوبِ گرامی رح ـــــ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی ـــــ ۳۳

دارالافتاء ـــــ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ـــــ ۳۶

"جاہلی دَور کی نثر" اور اُس کی خصوصیات ـــــ ڈاکٹر محمود الحسن عارف ـــــ ۳۹

حاصل مطالعہ ـــــ مولانا نعیم الدّین ـــــ ۴۸

صحّت و تندرستی ہزار نعمت ہے ـــــ حکیم نُور احمد ـــــ ۵۲

تبصرۂ کتب ـــــ ۵۵

طالبانِ علم کے لیے خوشخبری ـــــ دفتر تعلیمات جامعہ مدنیہ ـــــ ۵۶

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی۔

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

گزشتہ چالیس برس سے بھی زائد عرصہ سے گلگت و بلتستان پر مشتمل ناردرن ایریاز، شمالی علاقوں کی انتظامی حیثیّت اور وہاں کے باشندوں کے بنیادی حقوق سے جو اغماض برتا جا رہا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اَب اِن بادلوں کے چھٹنے کا وقت قریب آگیا ہے اور اَب اُن کے حقوق کا سُورج طلوع ہُوا چاہتا ہے۔

یہ توقعات اور اُمّیدیں گزشتہ دنوں پاکستان کے قومی جرائد میں آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے فل بنچ کے تاریخی فیصلہ کی اشاعت کے بعد پیدا ہوئیں۔ آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے یہ تاریخی فیصلہ گلگت کے ملک مسکین حاجی امیر خان اور آزاد کشمیر کے قانون دان شیخ عبد العزیز کی رٹ درخواستوں پر طویل سماعت کے بعد ۸ مارچ کے روز سُنایا، مقدمہ کی سماعت ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس ملک عبد المجید مسٹر جسٹس خواجہ محمّد سعید اور مسٹر جسٹس ریاض اختر چودھری پر مشتمل فل بنچ نے کی۔

مقدمہ کا متفقہ فیصلہ ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ فیصلہ میں گلگت بلتستان پر مشتمل شمالی علاقوں کو آزاد کشمیر کا حصّہ قرار دیتے ہوئے حکومتِ آزاد کشمیر کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ فوری طور پر شمالی علاقوں کے انتظامی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے اور عبوری آئین کے تحت وہاں انتظامی اور عدالتی ادارے قائم کرے عدالت نے حکومتِ پاکستان سے بھی کہا ہے کہ وہ اس معاملے میں حکومتِ آزاد کشمیر سے تعاون کرے۔

حکومتِ پاکستان کی طرف سے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ شمالی علاقے پاکستان کا قانونی حصّہ نہیں ہیں لیکن اس

کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ علاقے کشمیر کا بھی حصّہ نہیں ہیں، اس پر عدالت نے تمام متعلقہ دستاویزات اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ کیا جن سے ظاہر ہوا کہ شمالی علاقے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل اور اس کے بعد ریاست جموں و کشمیر کا حصّہ تھے اور اب بھی ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ اس فیصلہ سے حکومتِ پاکستان کے لیے مشکلات پیدا ہوں گی، مگر یہ بھی ایک امر واقع ہے کہ مشکلے نیست کہ آسان نہ شود

یہ حقیقت ہے کہ شمالی علاقہ جات میں مستقل اور پائیدار انتظامی ڈھانچہ نہ ہونے کے سبب یہ علاقہ لسانی، نسلی اور مذہبی فسادات کی لپیٹ میں آتا جا رہا ہے اور آئے دن اخبارات کی سرخیاں اس پر شاہد ہیں جو بجائے خود وہاں کے باشندوں کے لیے کسی بڑی مصیبت اور مشکل سے کم نہیں جبکہ وہاں کے باشندے فطری طور پر انتہائی بھلے مانس اور صلح پسند طبیعت کے مالک ہیں عدالتی فیصلہ سے قطع نظر آزاد کشمیر کی تقریباً تمام سیاسی پارٹیاں اس پر متفق ہیں کہ شمالی علاقے کشمیر کا حصّہ ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومتِ پاکستان ۳۸ ہزار مربع میل پر مشتمل شمالی علاقے کی تقریباً ۱۶ لاکھ آبادی کے بنیادی حقوق کا احترام کرتے ہوئے کوئی ایسا حل تلاش کرلے گی جس میں اپنی مشکلات پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ اُن کی ضروریات بھی پیشِ نظر ہوں کیونکہ وہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہونے کے ناطے تعلیم صحت مواصلات کے ساتھ ساتھ سیاسی عمل میں شرکت اور منتخب اسمبلیوں کی نمائندگی کا اسی طرح حق رکھتے ہیں جیسے کہ ہم خود۔

عظیم افغان رہنما مولانا نصر اللہ منصور شہید کر دیے گئے

گزشتہ دنوں بی بی سی کے حوالے سے یہ جانکاہ خبر سننے میں آئی کہ عظیم افغان رہنما حضرت مولانا نصر اللہ منصور شہید کر دیے گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ مولانا گردیز سے اپنے آبائی گاؤں زرمت تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک دھماکے سے آپ کی گاڑی کے پرخچے اُڑ گئے۔ آپ اپنے چھ محافظوں سمیت موقع ہی پر واصل بحق ہو گئے۔ یہ دھماکہ ریموٹ کنٹرول بم کے ذریعے کیا گیا جو یا تو آپ کی گاڑی میں پہلے سے فِٹ کیا گیا تھا یا

آپ کی گزرگاہ میں رکھا گیا تھا۔ مولانا کیا تھے کون تھے؟ موجودہ دور میں مغرب زدہ بے بُنیادوں کی اصطلاح "بنیاد پرست" کو اگر تسلیم کرلیا جائے یا دوسری طرف مولانا کی زندگی کو افغان جہاد کے گیارہ سالہ عرصہ کے آئینہ میں مشاہدہ کیا جائے تو مولانا یقیناً اس دور کے ایک عظیم بُنیاد پرست (دین میں پختہ کار) انسان تھے۔ اس بُنیاد پرستی کی صفت میں آپ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ کے مصداق تھے۔ اس بناء پر گیارہ سالہ دورِ جہاد میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے امریکہ کے اشارہ پر آپ کی جماعت کی رجسٹریشن کو منسوخ کیا گیا۔ آپ کو ایک گولی کی امداد تک نہ پہنچائی گئی، جس کے نتیجہ میں آپ کی جماعت بڑی کسمپرسی کا شکار رہی، لیکن آپ اپنے چند مخلص بُنیاد پرستوں کے ساتھ میدانِ کارزار میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے، آپ اپنے دور کے جیّد اور فقیہ عالمِ دین تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ روحانی علوم سے بھی آپ کا شغف کسی سے مخفی نہ تھا۔ آپ سلاسلِ اربعہ کے مشہور سلسلۂ نقشبندیہ میں مجاز بیعت بھی تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا تعلّق عظیم افغان عالم صوفی مَشرَب نُور[1] المشائخ مولانا فضلِ عمر مجدّدی المعروف ملا شور بازار سے تھا جنھوں نے ابتداء ہی میں امیر امان اللہ کے دور میں اپنے نورِ باطن سے رُوسی جرائیم کو محسوس کرتے ہوئے عَلَمِ جہاد بلند کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، نُور المشائخ کا سلسلۂ نسب چار پانچ پشت پہلے حضرت مجدّد الف ثانیؒ سے جا ملتا ہے۔ نُور المشائخ نے اپنے دور ہی میں ایک جہادی تنظیم خدام القرآن کی بُنیاد رکھی۔ غزنی میں آپ کا ایک مدرسہ نُور المدارس بھی تھا۔ مولانا نصراللہ منصور اسی مدرسہ کے ایک نونہال فرزند تھے۔ افغانستان میں رُوسی انقلاب کے وقت جیل میں تھے آپ کسی طریقے سے جیل سے فرار ہوکر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہاں پہنچ کر تبلیغی جماعت میں چلہ لگایا۔ اور مفتیٔ اعظم مفتی محمود رحمہ اللہ سے مل جہاد اور ہجرت کا فتویٰ حاصل کیا۔ لاہور میں پریس کانفرنس کی اور اس فتویٰ کے ساتھ واپس افغانستان جاکر جہاد کے عمل کو از سرِ نو منظّم کیا۔ (باقی صفحہ ۱۳ پر)

---

[1] آپ کے صاحبزادے حضرت فضل عثمان مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ پاکستان لاہور میں جلاوطنی کی زندگی بسر فرما رہے تھے حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس سرہٗ کی دعوت پر جامعہ بھی تشریف لائے لاہور ہی میں ـــــہ میں آپ کی وفات ہوئی، حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں نوراللہ مرقدہٗ نے آپ کے غُسل میں شرکت فرمائی، بعدازاں آپ کا جسدِ خاکی افغانستان لے جایا گیا جہاں اپنے والد صاحب کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ (محمود میاں)

عرصہ محفوظ چلا آتا تھا۔[1]

عاص بن وائل بہت بڑا دولت مند قبیلہ کا مشہور سردار تھا، مگر حضرت خبّاب سے اس پر جھگڑا ہُوا کہ اُنھوں نے لوہے کی کوئی چیز بنا کر اس کو دی تھی، وہ اُس کی اُجرت مانگتے تھے اور یہ جان چراتا تھا۔[2] اور یاد ہوگا یہی عاص بن وائل تھا جس نے یمن کے ایک تاجر کو مار پیٹ کر بھگا دیا تھا جب اس نے اپنے دام مانگے جس سے تمام مکّہ والوں کی بدنامی ہُوئی اور جس کی بناء پر وہ انجمن بنائی گئی جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔[3]

قرآن شریف نے کسی کا نام نہیں لیا، مگر اُس کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج اور معاشرہ کا اُونچا طبقہ جو مکّہ پر چھایا ہُوا تھا جو اس لحاظ سے خوش نصیب مانا جاتا تھا کہ اُن کے یہاں دولت کے انبار بھی ہوتے تھے اور فرماں بردار اولاد کی بھی کمی نہیں ہوتی تھی، اس کے اخلاق اور اوصاف یہ تھے۔

(الف) اپنی اس خوش نصیبی پر کہ وہ صاحبِ مال اور صاحبِ اولاد ہیں اُن کو گھمنڈ اور غرور ہوتا تھا۔

(ب) جو اُن سے کم ہوتے تھے اُن کو حقیر سمجھتے اور طرح طرح کے طعنے دیتے تھے۔

(ج) اپنے اثر و رسوخ اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے جھُوٹی قسم کھانے سے اُن کو عار نہ آتی تھی بلکہ بڑھ بڑھ کر قسمیں کھاتے، دوسروں کو لڑانے اور اپنے مخالفوں کو زک پہنچانے کے لیے بے دھڑک چغلیاں اور طرح طرح کا شرارت آمیز پروپیگنڈہ کرتے تھے۔[4]

(د) کمزوروں پر ظلم کرنا اُن کی عادت تھی۔

(ہ) نرم مزاجی اور اخلاق سے ناآشنا تھے۔ نیک کام نہ خود کرتے تھے نہ دوسروں کو کرنے دیتے۔

(و) غریبوں کی امداد کا کوئی موقع ہوتا تو اس میں روڑے اٹکاتے نہ خود خرچ کرتے نہ دوسروں کو خرچ کرنے دیتے۔

(ز) اخلاق سے ناآشنا۔ سخت دِل، خشک مزاج طبیعت کے روکھے۔[5]

(ح) رات دن تجوری بھرنے کی کوشش میں مصروف رہتے۔ اس تصوّر سے ناآشنا تھے کہ یہ دولت

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] بخاری شریف ص ۳۰۴ [3] زیرِ عنوان کمزوروں کی امداد عدل و انصاف اور جذبۂ اصلاح [4] سورۃ ۶۰ القلم آیت ۸ تا ۱۵ [5] سورۃ ۶۰ القلم آیت ۸ تا ۱۵۔

مقامی اور سماجی حالات اور ردِّ عمل

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؒ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

(۱) عرب میں بادشاہت نہیں تھی۔ ہر ایک قبیلہ آزاد ہوتا تھا۔ شیخ قبیلہ اندرونی نظام کا نگران ہوتا تھا۔ مکہ میں اس نظام نے چھوٹے سے جمہوریہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ صدر جمہوریہ تو پھر بھی کوئی نہیں تھا۔ البتہ قبائل کی ایک مشترک جماعت (کونسل) تھی اس نے شہری سماجی اور انتظامی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر تقریباً ایک درجن شعبے (پورٹ فولیو) بنائے تھے اور ہر شعبہ کا سربراہ منتخب کر دیا تھا۔ مثلاً مقدماتِ قتل کا ایک خاص شعبہ تھا۔ اس کے سربراہ ابوبکر صدیق تھے۔ شعبۂ سفارت کے ذمہ دار حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ اسی طرح باقی شعبوں کے ذمہ دار علیحدہ علیحدہ تھے۔ اُن میں سے صرف ابوبکر صدیق وہ تھے جو سب سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ عمر فاروق کئی سال بعد مسلمان ہوئے باقی شعبوں کے ذمہ دار یا مسلمان ہی نہیں ہوئے یا اگر مسلمان ہوئے تو بہت آخر میں۔

اس مشترک جماعت کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ اس مقام کا نام "دارالندوہ" تھا جہاں یہ اجلاس ہوا کرتے تھے کوئی غیر معمولی معاملہ ہوتا تو اراکین کے علاوہ بھی نمایاں افراد کو خاص طور پر مدعو کر لیا جاتا تھا۔

(۲) حرب بن اُمیہ۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابولہب، ابوجہل، اُمیہ بن خلف اُبی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط۔ نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث بڑے بڑے دولت مند تھے۔ یہ تاجر بھی تھے، صاحبِ جائداد بھی۔ سودی کاروبار بھی بڑے پیمانہ پر کرتے تھے اور ان تمام خصوصیتوں کے مالک تھے جو سرمایہ داروں میں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً ابولہب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا بھی تھا اور ہمیشہ مخالفت میں پیش پیش رہا۔ اس کا سودی لین دین وسیع پیمانے پر تھا اور اس کے حرص و طمع کی یہ حالت تھی کہ اُس نے خانہ کعبہ کے خزانہ سے سونے کا ہرن چوری کر کے بیچ ڈالا تھا۔ یہ ہرن بہت

ختم ہونے والی بھی ہے[1]۔

(ط) خدا سے بے تعلّق۔ خدا پرستی سے بے گانہ، کج بحث، زبان زوری سے اپنے عیبوں کو چھپانے والے[2]۔

یہی لوگ تھے جو پُورے مکّہ پر چھائے ہُوئے تھے اور چونکہ مکّہ ہر لحاظ سے پُورے عرب کا مرکز تھا تو اُن کے اثرات پُورے عرب پر غالب تھے۔

ایک شخص جس نے بچپن جوانی اور ادھیڑ عمر کا ایک حصّہ شہر کی گھلی ملی زندگی میں اس طرح گزارا ہو کہ وہ لوگوں کی آنکھ کا تارا بنا رہا ہو۔ اس کی زندگی میں خاص طرح کی تبدیلی آئے اس کے کچھ ساتھی ہوجائیں۔ اُن میں وہ بھی ہوں جو شہری زندگی میں اُونچا درجہ رکھتے ہوں[3]۔ کچھ مالدار گھرانوں کے نوجوان[4] ہوں اور یہ سب ایک خاص قسم کی انقلاب انگیز زندگی بنانے لگیں۔ مان لیجیے یہ کسی کو اپنی طرف نہیں بُلاتے، مگر کیا خود اُن کا عمل اور غیر معمولی انداز لوگوں کو متوجّہ نہیں کرے گا۔ خصوصاً وہ بڑے لوگ جو اپنے اقتدار کو سنبھالنے کے لیے ہر خطرہ کے موقع پر خورد بین سے کام لیتے ہیں۔ کیا وہ اُن کے طرزِ زندگی سے ہراساں اور چوکنّے نہیں ہوں گے اور کیا یہ بات اُن کو سراسیمہ اور پریشان نہ کردے گی کہ یہ جماعت جس طرح شرک اور بُت پرستی کے خلاف توحید کی قائل اور خدا پرستی کی عاشق ہے وہ سرمایہ دارانہ نظامِ حیات سے بھی اتنی ہی متنفّر ہے اور جذباتِ نفرت کی پرورش کر رہی ہے۔

۵۔ ردِّ عمل

یہ قدرتی بات تھی کہ سردارانِ قریش نے جیسے ہی اس چھوٹی سی جماعت کے انداز سے خطرات کو بھانپا۔ مخالفت شروع کردی، مگر جس طرح دعوت عام نہیں تھی، مخالفت بھی عام نہیں تھی۔ نجی مجلسوں میں تبصرے ہوتے۔ بیشک پھیلنے والے اثرات کو زائل کیا جاتا اور مخالفانہ رائے پختہ کی جاتی تھی، مگر گفتگو اور تبادلۂ خیالات کے ذریعہ مثلاً سب سے پہلے قرآنِ پاک کی معجزانہ فصاحت و بلاغت تھی جو ہر ایک صاحبِ ذوق کو متأثّر کردیتی تھی اور جب کوئی صاحبِ فکر معنے اور مقصد پر غور کرتا تو حیران رہ جاتا اور بسا اوقات وارفتہ ہوجاتا تھا۔ یہ وارفتگی گرویدگی کی حد تک پہنچتی تھی جو اس کو سب سے چھڑا کر حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے وابستہ کردیتی تھی۔ جو حضرات

---

[1] سورۃ ۱۰۴ ہمزہ آیت ۲ [2] سورۃ ۷۴ مدّثر آیت ۱۶ تا ۲۵، آیت ۴۵، ۴۶ و سورۃ ۸۳ المطففین آیت ۲-۳ و آیت ۱۲-۱۳ و سورۃ ۹۶ العلق آیت ۶-۷ [3] جیسے صدّیق اکبرؓ [4] جیسے حضرت عثمانؓ بن عفان۔ عبدالرحمٰن بن عوف، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم۔

اب تک مسلمان ہو چکے تھے، اگرچہ اُن کی تعداد تھوڑی تھی، مگر وہ قرآن پاک کی اس تاثیر کی بہترین مثال اور نمونہ تھے۔ قرآنِ پاک کی اس تاثیر کو معاذاللہ جادو کہا جاتا تھا۔ کہ یہ منتر ہے جو کسی طرح "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہاتھ لگ گیا ہے وہ اس منتر سے متأثر کرتا رہتا ہے[1]۔

ان آیتوں اور سورتوں میں جن عقائد اور نظریات کی تلقین ہے جب ان پر بحث ہوتی تو بڑے لوگوں کا چلتا ہُوا جواب یہ ہوتا تھا۔ پُرانے زمانہ کی دقیانوسی باتیں ہیں۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اَب یہ باتیں نہیں چل سکتیں[2]۔

جَب خُدا پرستی اور توحید کا ذکر ہوتا تو جواب دیا جاتا۔ اپنے باپ دادوں کے مذہب سے ہٹ کر گمراہ ہو رہے ہیں[3]۔

جَب اُن کی شب و روز کی عبادت اور غیر معمولی شب بیداری کا تذکرہ ہوتا تو رؤساءِ قریش کی مجلسوں میں تبصرہ یہ کیا جاتا۔ دیوانے ہو گئے ہیں[4]۔

لیکن ظاہر ہے اس طرح کے جوابات وقتی طور پر کام کر سکتے ہیں۔ واقعی اور حقیقی اثرات کو زائل اور سوال کرنے والوں کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ تو اَب اِن لوگوں نے یہ چاہا کہ اس سے پہلے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اثرات متعدی ہوں، اُن سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے، چنانچہ سردارانِ قریش کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔

ارکانِ وفد پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

(۱) ولید بن مغیرہ۔ مکہ کا رئیس اعظم جو دولت مندی اور خوش حالی کی تمام عظمتیں اپنے اندر رکھتا تھا اسی وجہ سے اس کو وحید[5] کہا جاتا تھا۔

(۲) ابوجہل۔ سب سے زیادہ ہوشیار اور چالاک سردار۔

(۳) اَسود بن عبد یغوث۔ مکہ کا بہت بڑا تاجر اور رئیس (باقی صفحہ ۱۹ پر)

---

[1] سورۃ ۷۴ مدثر آیت ۲۴ تنبیہ: سورۂ مدثر اور سورۃ القلم کی تمام آیتیں اگرچہ ایک ہی دفعہ میں نازل نہیں ہُوئیں کچھ پہلے نازل ہُوئیں کچھ تھوڑے وقفہ کے بعد مگر بہرحال تمام آیتیں نبوّت کے ابتدائی دَور میں ہی نازل ہُوئیں۔ [2] سورۃ ۶۸ القلم آیت ۱۵۔ [3] ایضاً آیت ۷ [4] ایضاً آیت ۶ [5] سورۃ مدثر کی آیت ۱۱ و من خلقت وحیداً کے تحت حضرات مفسرین نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

بحضورِ ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ اللہ! محمّد ترا نام اے ساقی
اَن گنت تجھ پہ درُود اور سلام اے ساقی

بعد اللہ کے ہے تیرا مقام اے ساقی
کس کی جُرأت ہے کرے اِس میں کلام اے ساقی

از ازَل تا بہ ابَد تیری ہی سرداری ہے
سیّدُ الکُل ہے تُو ہے سب کا اِمام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کی رحمت کا ہے سایہ ہر دم
کُل جہاں پر تری رحمت ہے مُدام اے ساقی

فرشیوں پر تو عِنایات کی کچھ حد ہی نہیں
عرشیوں پر بھی ترا فیض ہے عام اے ساقی

واسطہ تجھ کو براہیمؑ کی فرزندی کا
ایک کوثر کا چھلکتا ہُوا جام اے ساقی

آلِ اطہارؓ کے صدقے ہو عطا اِک ساغر
اِک پیالہ پئے اصحابِؓ کرام اے ساقی

خستہ جانوں سے کوئی پُوچھے حلاوت اِس کی
راحتِ جان وجگر ہے ترا نام اے ساقی

کبھی تنہائی میں محسوس کِیا کرتا ہُوں
صحنِ دل میں ترا آہستہ خرام اے ساقی

مہ جبیں لاکھ سہی شہرۂ آفاق مگر
اُن کے حلقے میں ہے تُو ماہِ تمام اے ساقی

نازنیں ایک سے اِک بڑھ کے جہاں میں آئے
ہے تری ذات مگر مِسکِ خِتام اے ساقی

وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَک ہے خُدا کا اِرشاد
از اُفُق تا بہ اُفُق تیرا پیام اے ساقی

مِٹنے والے ہیں سبھی نقش جہانداروں کے
نقش ہے تیرا فقط نقشِ دوام اے ساقی

تجھ پہ اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا سلام
ہم غُلاموں کی بھی جانب سے سلام اے ساقی

سوچتا ہُوں غمِ دِل عرض کرُوں یا نہ کرُوں
اِن دنوں فِکر سے ہے جینا حرام اے ساقی

خوار ہے عالمِ اِسلام نصاریٰ کے تلے
آج اُمّت کا دِگرگُوں ہے نِظام اے ساقی

نگہِ لُطف غریبوں پہ خُدا را ہوجائے
پھر سنْور جائے یہ بگڑا ہُوا کام اے ساقی

دِل مِرا ڈُوب رہا ہے کہ تہی دامن ہُوں
ہونے والی ہے اُدھر زیست کی شام اے ساقی

ایک اُمّیدِ شفاعت ہے فقط زادِ سفر
جس سے ہمّت سی ہے کچھ گام بہ گام اے ساقی

لاج رکھنا، کہ ترے رحم و کرم پر ہے نفیسؔ
ہے ترے در کا غُلام ابنِ غُلام اے ساقی

مدینۃ المنورۃ
ذوالحجہ ١٤١١ھ

نفیس الحسینی

مولای صل وسلم دائما ابدا — درس حدیث — علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درس حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہوکر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور روح پرور محفل کس قدر جاذب و پرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرۃ شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انہوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ ان سب کو بیش از بیش اجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ و لالہ انوارِ مدینہ کے ذریعہ حضرۃ رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرۃ کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرۃ مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است — خم و خمخانہ با مہر و نشان است

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

امابعد: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عورت اپنے شوہر کی کمائی میں سے خیرات

کر دیتی ہے بغیر اس کے[1] حکم کے تو اُسے اُس کا نصف اجر ملتا ہے، یہ بھی فرمایا کہ وہ آدمی جو خزانچی ہو مسلمان ہو امانت دار ہو "اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِیْنُ" وہ مُسلمان ہو امانت دار ہو "اَلَّذِی یُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِہٖ" جو اُسے حکم دیا جاتا ہے کہ اتنا روپیہ فلاں جگہ یا فلاں کو یا فلاں مد میں رکھ دو خرچ کر دو پہنچا دو۔ "کَامِلاً مُّوَفِّرًا" اس میں کوئی کمی نہیں کرتا کامل طرح اطاعت کرتا ہے اور کامل طرح دیتا ہے۔ "مُوَفِّرًا" کا مطلب بھی یہی ہے کہ پُوری طرح "طَیِّبَۃً بِہٖ نَفْسُہٗ" اس خرچ پر اس کا دِل بھی خوش ہوتا ہے خوش دلی سے دیتا ہے "فید فعہ الی الذی اُمِرَ لہ بہ" اور وہ اس کو دے دیتا ہے جس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ فلاں کو دے آؤ فلاں تک پہنچا دو۔ فرمایا "اَحَدُ الْمُتَصَدِّقَیْنِ" وہ بھی دو میں سے ایک ہے صدقہ کرنے والا۔ اور اس عورت کو آدھا ثواب مل جائے گا آدھے ثواب کا مطلب یہ ہُوا کہ جو خرچ کا ثواب ہے، اُسے دوگنا کر دیا جائے گا۔ اُس کا حصّہ مزید اللہ کے ہاں بڑھا دیا جائے گا جس کی اصل ملکیت ہے اس کا اجر کم نہ ہو اور اُسے بھی نصف مل جائے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ایک کے دو کر دیے جائیں گے اور دو کے چار کر دیے جائیں گے یا تین کر دیے جائیں گے لکھنے والوں کو بھی مل جاتا ہے ایسے ہی بیوی کو بھی مل گیا اور اگر بیوی نے کسی سے کہا اور اُس نے خرچ کر دیا تو شوہر ہو گیا بیوی ہو گئی اور وہ خرچ کرنے والا بھی ہو گیا تو ان سب کو ثواب ہے۔ یہاں دو چیزیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو یہی ہے کہ اسلام نے خرچ کرنا بتایا ہی بتایا ہے۔ ہر آدمی اپنی سطح پر اپنے درجہ میں اپنی حیثیّت کے مطابق خرچ کرتا ہی رہے۔ ایک اور چیز بھی بتائی گئی ہے اور بکثرت ایسے ہوتا ہے ہمیں بتانے والے آتے ہیں کہ ہماری پنشن منظور ہو گئی ہے، مگر ابھی تک نہیں ملی۔ رکاوٹ ہے اِنہوں نے ڈال رکھی ہے۔ اُنہوں نے ڈال رکھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کے لیے مانگتے ہیں۔ یہ تو ہُوئی رشوت خوری ایک رشوت خوری کے علاوہ اور چیز بھی ہوتی ہے، کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ یہ مجھے سلام کرے ذرا میری بھی تو تعظیم کرے، بہت ہی اچّھا آدمی ہو گا تو اس کے دل میں ایسی چیزیں تو کم از کم آ ہی جاتی ہیں۔ کیشیئر جو ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح کرتا ہے۔ مزدور سے کہتا ہے اچھا برف لا دے ذرا یہ کر دے ذرا پھر ابھی کر دیتا ہوں مفت میں ایک کام لے لے گا اس سے، بظاہر کوئی ایسی بات نہیں ہے مگر شریعتِ مطہرہ نے یہ بتلایا ہے کہ یہ

---

[1] بشرطیکہ عورت صراحتاً یا دلالۃً یہ بات جانتی ہو کہ شوہر اس صدقہ پر خوش ہو گا اور صدقہ بھی کسی تھوڑی سی چیز کا ہو۔

نہیں ہو سکتا وہ خرچ کرے پُوری طرح دے کھُلے دل سے دے "طیبة به نفسه" اس پر اس کا دل بھی خوش ہو پھر یہ ہے کہ وہ ثواب کا مستحق ہے۔ جیسے وہ فیاض ہے، ویسے ہی یہ بھی فیاض ہے جیسے اس کی نیت اچھّی ہے ویسے ہی اس کی نیت بھی اچھّی۔ جیسے وہ اجر کا مستحق ایسے ہی یہ بھی اجر کا مستحق تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ دوگنا کر دیں گے اس کو اتنا اجر ملے گا جتنا اُس کو، تو یہ "احد المتصدقین" (یعنی دو صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے۔) یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی طرف خیال بھی نہیں جاتا نہ یہ کسی قانُون میں آتی ہیں نہ یہ کہیں آداب میں سکھائی گئیں ہیں نہ دوسرے مذہبوں میں کہیں پتہ چلے گا، لیکن اسلام میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ یہ جو شیطان کے چور دروازے ہیں نیکی میں نقصان پیدا کرنے کے شریعت میں ان سب کا پتا دیا گیا ہے جگہ جگہ، جگہ جگہ اور ان کی جڑ ہی کاٹ دی گئی ہے۔ انسان جب یہ سمجھ رہا ہے کہ نیکی ہو رہی ہے اور میں اس کے درمیان میں آرہا ہوں تو وہ انجام دے دینی چاہیے، کیونکہ درمیان میں آنے کی وجہ سے اس نیکی کے برابر اتنا ثواب اسے بھی مل جائے گا جتنا اس کو ملے گا جو منظوری دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضائے سے نوازے۔ آمین۔

بقیہ: مولانا نصر اللہ منصورؒ

مولانا نصر اللہ منصورؒ کو کن لوگوں نے شہید کیا اس کا حتمی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ قاتلین کا تعین افغانستان کی اسلامی حکومت کا داخلی معاملہ ہے، لیکن اس سلسلے میں افغانستان کے رُوسی کفار سے آزاد ہونے کے بعد وہاں پر منافقین کی سرگرمیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں کے نزدیک کابل شہر پر گولہ باری سے سینکڑوں بے گناہ شہریوں کا قتل کوئی جرم نہیں۔ اُن کے ہاتھوں ایک مجاہد عالم کا قتل ہو جانا کوئی مستبعد امر نہیں۔ گزشتہ سال مولانا کو افغانستان میں اغوا بھی کر لیا گیا تھا۔ مولانا کی کچھ گاڑیاں کئی دنوں تک ان لوگوں کے پاس رہیں۔ اب اگر ریموٹ کنٹرول بم مولانا کی گاڑی کے اندر فٹ تھا، تو ان گزشتہ واقعات کی روشنی میں بھی قاتلوں تک پہنچنے میں مدد لی جا سکتی ہے۔ آخر میں ہم مولانا کے لیے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی شہادت کو قبول فرمائیں اور اُنہیں اعلیٰ علیین میں مقام نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ اُمّتِ مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ایک اور سُورج جو اپنی روشنی کو سمیٹتے ہُوئے دُنیا فانی سے چل دیا۔

جو مقصدِ حیات میں ہو جستجوئے انقلاب   فردِ واحد بھی چلے تو وہ بھی ایک تحریک ہے

مفسّرِ قرآن عالمِ باعمل

حضرت مولانا محمّد اسحاق قادری رح

بانی جامعہ حنفیہ قادریہ

تحریر: حافظ ذکاءالرحمٰن اختر

یہ اس عظیم انسان کی داستانِ علم وعمل کی ایک جھلک ہے جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباع سُنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں گزرا۔ اس داستان کو لکھنے کا مقصد مدح سرائی یا قصّہ گوئی نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کو پڑھنے سے ہم جیسے غافلوں، کم ہمتوں اور کمزوروں میں علم وعمل اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

ولادت وبچپن

آپ لاہور کے مشہور علاقہ باغبانپورہ میں خاندانِ قریش کے ایک دینی گھرانے میں مارچ ۱۹۱۶ء میں پیدا ہُوئے شرک وبدعات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ایک شمع روشن ہوگئی۔ پتھّروں کے ڈھیر میں ایک ہیرا چمک اُٹھا جس کی چمک دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ آپ کے والدگرامی حاجی محمّد عبداللہ صاحب مرحوم نے آپ کا نام محمّد اسحٰق رکھا۔

ابتدائی تعلیم

اپنے والد محترم سے باغبانپورہ میں ہی حاصل کی، پرائمری تک کی تعلیم بھی یہیں حاصل کی ۱۱ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا والد صاحب نے آپ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ۱۹۲۷ء میں آپ کو حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا کر دین کے لیے وقف کر دیا ۱۹۳۰ء تک آپ مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ میں زیرِ تعلیم رہے۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حافظ عبدالرحمٰن صاحب مولانا محمّد عالم صاحب اور مولانا قمر علی صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اعلیٰ تعلیم

۱۹۳۱ء میں آپ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے سفر اختیار فرمایا اور مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۴۰ء تک موقوف علیہ تک کی تمام کُتب نہایت محنت کے ساتھ پڑھیں یہاں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کیمل پوری مولانا سیّد ظہور الحق صاحب دیوبندیؒ مولانا عبدالشکور صاحبؒ، مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی، مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کے نام آتے ہیں پھر دَورۂ حدیث شریف کے لیے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا فخرالدین صاحب مراد آبادیؒ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا اعزاز علیؒ مولانا محمدّ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، مولانا عبدالحق نافع گلؒ پشاوری، مولانا قاری محمدّ طیبّ صاحبؒ اور مولانا محمدّ ادریس صاحب کاندھلویؒ سے دَورۂ حدیث پڑھا اور سند حاصل کی۔

دیوبند سے واپسی

۱۹۴۲ء میں دیوبند سے وطن کی طرف لوٹے لاہور تشریف لاتے ہی حضرت امام الاولیاء مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دَورۂ تفسیر پڑھا اور اعلیٰ درجہ میں کامیابی حاصل کی۔

علاوہ ازیں انجمنِ خدام الدین کے دفتر میں خدمات انجام دیتے رہے اور انجمن کے رسائل اور دیگر مطبوعات کی تصیح پر مامور رہے۔ اسی دوران قاسم العلوم کے دارالافتاء میں مفتی کے فرائض بھی سونپ دیے گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب دواخانہ قاسمیہ کی بُنیاد رکھی تو بطور طبیب حضرت مولانا محمدّ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ خدمات انجام دیتے رہے۔

ترجمہ وتفسیر قرآنِ عزیز

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو عرصہ دراز میں قرآنِ عزیز کے نام سے ترجمہ قرآن اور تفسیر لکھی تھی اس میں حضرت کے ساتھ بطور محرر اور مصحح کے خدمات انجام دیں اور جب وہ قرآنِ عزیز مختلف حضرات علماء کرام کی تصدیقات سے شائع فرمایا تو حضرت نے جن حضرات کا اس خدمت پر شکریہ ادا کیا اُن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرِفہرست ہے۔

تحریکِ ختمِ نبوّۃ ۱۹۵۳ء

تحریکِ ختمِ نبوّۃ میں نمایاں طور پر کام کیا اور حضرت لاہوری کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے اور پہلی مرتبہ سُنّت یُوسفی پر عمل پیرا ہُوئے تحریک میں سرگرم ہونے کی وجہ سے جیل میں طرح طرح سے اذیّتیں دی گئیں جو آپ نے بڑی جوانمردی اور ثابت قدمی سے برداشت کیں۔

انجمن خدام الاسلام (رجسٹرڈ)

جامعہ حنفیہ قادریہ کی تاسیس

بعض احباب کی خواہش پر جی ٹی روڈ پر مسلم ہائی سکول کے سامنے بالکل چھوٹی سی مسجد تھی اس میں آکر درس کا آغاز فرمایا اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ مسجد کو وسیع کرنے کے لیے جگہ اور وسائل عطا فرما اس وقت حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اللہ نے وہ دعا قبول کر لی ۱۸ مئی ۱۹۵۶ء میں آپ نے یہاں انجمن خدام الاسلام کی بنیاد ڈالی اور اس کے پہلے تاحیات امیر منتخب ہوئے ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو اسی انجمن نے ایک کثیر رقم کے عوض ایک قطعہ زمین خریدا اور ۸ مئی ۱۹۵۹ء کو حضرت لاہوریؒ نے اس جگہ مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا جو بعد میں حضرت کی زیرِ نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچی۔

درس و تدریس

۱۹۵۹ء میں حضرت نے باغبانپورہ میں مسجدِ امن میں نمازِ عصر کے بعد گریجویٹ حضرات کے لیے ایک کلاس کا آغاز فرمایا جس میں ترجمہ قرآنِ مجید مشکوٰۃ شریف، صرف و نحو کا درس ہوتا، اس میں بہت سے حضرات شریک ہوتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ ان حضرات کو فراغت پر سند دی جاتی تھی، اسی سال حضرت لاہوریؒ کی اجازت سے مجلسِ ذکر کا آغاز ہوا۔ حضرت کے پاس جو بھی علم کے حصول کی غرض سے حاضر ہو کر پوچھتا کہ کس وقت میں آکر اپنی علمی پیاس بجھاؤں آپ جواباً فرماتے جس وقت بھی آجاؤ، میں قرآن وسنّت کے لیے حاضر ہوں۔ مسافر طلباء حضرت کی شہرت، تقویٰ، طہارت، اپنے شیخ سے نسبت اور دارالعلوم دیوبند کی نسبت سے آپ کے پاس آتے اور سوال کرتے کہ ہماری خوراک کا کیا بندوبست ہوگا تو آپ فرماتے اللہ کردے گا۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے قرآن وسنّت کی تعلیم کے لیے مدرسۃ البنات کی بنیاد رکھی تاکہ علاقہ سے شرک و بدعات اور جہالت کی تاریکیوں کو ختم کر کے علمِ قرآن وسنّت کی شمع روشن کی جا سکے۔ اس میں تعلیم دینے کے لیے حضرتؒ نے اپنی نیک و پاکباز و پاک طینت اہلیہ (جو حضرت لاہوریؒ سے سندِ فراغت حاصل کر چکی تھیں) کا انتخاب فرما کر اُن کو خدمات پر مامور فرمایا۔

(حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ آپ سے ۷ ماہ قبل ۷ مئی ۱۹۹۲ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔)

۱۹۶۷ء میں پہلی بار حج بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۶۹ء میں دوسری بار حج بیت اللہ کی سعادت ہمراہ اہلیہ محترمہ حاصل ہوئی۔

۲۲ جولائی ۱۹۷۱ء کو حضرت لاہوری کے خلیفہ مجاز حضرت مفتی بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے سلسلہ قادریہ راشدیہ میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مجالس ذکر و حلقہ درسِ قرآن و حدیث

حضرتؒ نے اپنی زندگی میں مختلف مقامات پر درسِ قرآن اور مجالسِ ذکر کرانے کا اہتمام کر رکھا تھا جہاں حضرت بالترتیب اور پابندی سے تشریف لے جاتے اور درس قرآن اور ذکر کی محفل سے لوگوں کے دلوں کو منوّر کرتے۔ ایک درس روزانہ بعد از نمازِ فجر جامع مسجد امن اہلسنت والجماعت باغبانپورہ میں بلاناغہ بالترتیب دیتے اور بعد نمازِ ظہر درس حدیث شریف دیتے تھے ہر اتوار کو بعد نمازِ مغرب مسجد امن میں ہی حضرت لاہوریؒ کی جاری کردہ مجلسِ ذکر کو جاری کر رکھا، چاند کی پہلی اتوار کو آیت کریمہ کا ورد شروع کیا

پابندی وقت

حضرت جہاں جانے کے لیے وعدہ فرما لیتے کچھ ہو جائے پہنچتے ضرور تھے حتّٰی کہ قینچی امرسدھو بُدھ کو درس دینے کے لیے جاتے جو تقریباً باغبانپورہ سے ۱۳ میل دُور ہے وہاں بھی وقت پر سائیکل پر پہنچ جاتے پھر کچھ عرصہ بس یا ویگن کے ذریعہ جاتے رہے اور کچھ عرصہ تک محمّد اشرف صاحب اور عبدالرؤف صاحب کے ہمراہ موٹر سائیکل پر وقت پر پہنچتے رہے، لیکن کبھی ناغہ نہیں کیا۔ ایک مرتبہ بُدھ کو عید تھی اور درس کے ساتھی اس خیال میں تھے کہ آج عید ہے اور حضرت چُھٹی کرلیں گے، لیکن جونہی عصر کا وقت ہُوا حضرت مسجد میں موجود تھے۔ یہ صفت عوام تو عوام ہیں خواص سے بھی مفقود ہو رہی ہے، اس وقت مُسلمانوں کی تنزلی اور پستی کے جہاں اور اسباب ہیں وہاں وقت کی ناقدری اور زیاں بھی شامل ہے۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

تاریخ نے قوموں کے وہ دَور بھی دیکھے ہیں - لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

لیکن حضرتؒ نے اٹھارہ سال وہاں درس دیا۔ سردی ہو یا گرمی، بہار ہو یا خزاں امن ہو یا جنگ صحت ہو یا بیماری، حضرت نے کبھی ناغہ نہیں فرمایا تھا۔

ان تمام معمولات کو حضرت کے جانشین مولانا جمیل الرحمٰن اختر حضرت کی بیماری کے ایّام سے ہی نبھا رہے ہیں۔

تقویٰ

حضرت بازار کی بنی ہُوئی کوئی چیز (مٹھائی سموسہ بوتل ہوٹل کی روٹی سالن وغیرہ) استعمال نہ فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایک تو یہ نماز نہیں پڑھتے۔ دوسرے نہ جانے یہ کیا کچھ ان چیزوں میں ملا دیتے ہیں اور وہ چیزیں نہ جانے کیسی ہوتی ہیں، چوری کی یا غصب کی ہُوئی، کیونکہ ان چیزوں کا

ان میں اثر موجود ہوتا ہے اور اس کا اثر پھر دل پر پڑتا ہے۔

تواضع و انکساری

اللہ تعالیٰ کو عاجزی اور تواضع پسند ہے۔ قرآن میں بھی اللہ نے اپنے بندوں کی جن صفات کو بیان فرمایا ہے اس میں یہی ہے کہ وہ زمین پر دبے پاؤں یعنی عاجزی سے چلتے ہیں اور جاہلوں سے بحث نہیں کرتے حضرتؒ میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں تواضع کا تو یہ عالم تھا کہ محفلِ آیت کریمہ کے اختتام پر حاضرین کو کھانا خود تقسیم فرماتے، چاولوں کی بھری ہوئی پلیٹ یا ڈش اُٹھا کر کھانے والوں کے پاس کھڑے رہتے، کسی کو مزید ضرورت ہوتی تو اُس کو ڈال کر دیتے، کہیں جانا ہوتا تو کسی کا انتظار مت کرتے بلکہ پہلے سے ہی اُن کو کہہ دیتے کہ مَیں خود پہنچ جاؤں گا، چنانچہ اپنی سائیکل پر پہنچ جاتے۔

حضرتؒ نے ۱۹۸۷ء میں عمرے کے سفر پر جانے سے قبل اپنے چھوٹے بیٹے حضرت مولانا قاری جمیل الرحمٰن اخترؔ، ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ کو اپنا جانشین مقرّر کیا اور سلسلہ قادریہ راشدیہ میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور مدینہ طیّبہ پہنچ کر روضہ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر حاضری کے بعد اپنے دوسرے بیٹے مولانا حافظ انیس الرّحمٰن اطہر صاحب کو خلافت عطا فرمائی۔

۱۹۹۱ء میں بڑے بیٹے حافظ حبیب الرّحمٰن صاحب حضرت کو اپنے ہاں لے گئے۔

۱۹۹۲ء سفرِ آخرت

۱۲ دسمبر بروز ہفتہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلّہ العالی عیادت کے لیے گھر تشریف لائے، ایک تسبیح عطا فرمائی ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ تسلّی دی اور تشریف لے گئے۔ ۱۳ دسمبر بروز اتوار طبیعت مزید خراب ہوگئی۔ رات بعد عشاء سبھی گھر والے اُن کے پاس تھے۔ آپ تقریباً تین برس صاحبِ فراش رہے۔ آخری ایّام میں کمزوری اور بیماری کی وجہ سے زبان بند ہوگئی تھی، لیکن دل بدستور ذاکر تھا اس کی حرکت سے ملنے والے کو محسوس ہوتا تھا کہ اللہ اللہ کر رہا ہے، مگر وفات سے تقریباً پونے دو گھنٹے قبل حضرت کے جانشین مولانا جمیل الرّحمٰن اخترؔ نے جب کلمہ طیّبہ کا ورد کیا تو حضرت نے پہلی مرتبہ ہی ساتھ کلمہ طیّبہ پڑھا اور پونے دو گھنٹے اسی زبان سے اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ کرتے رہے۔ یہی حضرت کی کامیاب زندگی کی دلیل ہے۔ حضرت اپنی ہر دُعا میں یہ اللہ سے مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ اخیر اچھّی کرنا مرتے وقت کلمہ اور اپنا نام نصیب فرمانا۔ اللہ نے آپ کی وہ دُعا قبول فرمالی۔

آپ کا چہرہ مُبارک وفات کے وقت چمک رہا تھا اور قبلہ رو تھا۔ چہرہ مُبارک کی تازگی کو دیکھ کر کوئی

محسوس نہیں کرتا تھا کہ آپ سوئے ہوئے ہیں یا خالقِ حقیقی کے پاس پہنچ چکے ہیں۔

۱۴ر دسمبر علی الصبح سوا دو بجے تہجد کے وقت یہ علم وفضل کا آفتاب، زہد و تقویٰ کا ماہتاب مفسّرِ قرآن داعی اجل کو لبّیک کہہ کر سوئے آخرت روانہ ہوا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

حضرتؒ ایک بہت بڑے مجاہد، محدّث، مفسّر قرآن، سیاستدان، عالم باعمل اور عاشقِ رسول انسان تھے۔

جنازہ

لاہور کی مشہور تاریخی سیرگاہ شالامار باغ کے سامنے کُھلی گراؤنڈ میں جنازہ کے لیے جب حضرت کو لایا گیا تو ہزاروں افراد پہلے ہی سے وہاں پہنچ چکے تھے جو اپنے شیخ کا آخری دیدار کرنے کے لیے بے تاب تھے، ہر آنکھ آنسو بہا رہی تھی۔ نمازِ جنازہ سے قبل حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمّد عبداللہ درخواستی مدظلّہ العالی نے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ لاہوریو! آج مولانا محمّد اسحٰق قادری فوت نہیں ہوئے بلکہ آج حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کا جانشین اس دُنیا سے رُخصت ہو گیا۔ آج وہ شخصیت اس دُنیا سے چلی گئی ہے جس نے ۴۰ سال تک اس باغبانپورہ میں بیٹھ کر قرآن کی بے لوث خدمت کی ہے۔ یہ ساری عمر قرآن کی بارش برساتا رہا آج اس پر اللہ کی رحمتوں کی بارش برس رہی ہے۔

پسماندگان

میں آپ نے تین بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑی ہیں اور ماشاء اللہ سبھی بھائی حافظ قاری عالم ہیں۔ صاحبزادیاں بھی مدرسۃ البنات سے فارغ التحصیل ہیں اور مدرسۃ البنات انہی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔

بقیہ: سیرۃِ مبارکہ

(۴) اخنس بن شریق۔ طائف کا سب سے بڑا سردار اور رئیس

وفد نے آپؐ کے سامنے تین صورتیں پیش کیں۔

- اگر دماغی خلش ہے تو اجازت دیجیے کہ ہم بہترین علاج کا انتظام کریں۔
- اگر عیش و عشرت مقصود ہے تو ہم دولت اور حسن دونوں فراہم کر سکتے ہیں۔
- اگر اقتدار مطلوب ہے تو مکّہ کے اقتدار کی باگ ڈور آپ کے حوالے کرتے ہیں، مگر آپ اپنے انداز کو ہلکا کیجیے۔ آپ کے نظریات جو سُننے میں آرہے ہیں نہایت سخت ہیں، وہ ہیجان برپا کر دیں گے مگر

وحی الٰہی نے اس طرح کی پیشکشوں کی شدت سے تردید کر دی[1]

[1] تفسیر عزیزی متعلق آیت ۹ سورۃ ۶۸ قلم

آہ! مرحومہ ریحانہ آپا صاحبہ

سلیمہ بنت حامد بن محمد

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی !

دُنیا دار الفنا ہے، اس میں آنکھیں کھولنے کے بعد اس میں لگنے اور آنکھیں بند ہونے پر اس سے مُنہ موڑنے کا عمل صدیوں سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا، مگر زندگی کے اس سفر میں بہت سے ساتھی ایسے بھی مل جاتے ہیں جن سے بچھڑنے کا تصوّر ہی موت سے سوا ہوتا ہے، مگر موت ایک حقیقت کی صُورت جلد یا بدیر نازل ہو کر ہمارے ساتھی، ہمارے رفیق، ہمارے عزیز اور ہماری محبوب ترین ہستیوں کو ہم سے دُور اُس جہان میں لے جاتی ہے۔ جہاں سے واپسی کا تصوّر محال ہے اور جو وہاں چلا جاتا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا۔

ان محبوب ہستیوں میں ایک، رابعۂ وقت محترمہ ریحانہ مدنی صاحبہ بھی تھیں جن سے بچھڑنے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن آہ صد آہ آپ ہمیں اپنے دیگر محبین اور متعلقین کو سوگوار چھوڑ کر بہت ہی جلد اپنے خالق و مالک کے پاس چلی گئیں، ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ ۹ - نومبر ۱۹۹۲ء بروز پیر تین بجے دوپہر دہلی کے نرسنگ ہوم میں مختصر علالت کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون - آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی چہیتی صاحبزادی، حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہ العالی کی ہمشیرہ اور حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد کی اہلیہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مرحومہ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور اُنہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

ہر سمت فرشتوں کے لشکر ہوں ساتھ ساتھ
ہر گام پر خدا بھی حفاظت کرے تری

مرحومہ بھرپُور شخصیّت کی حامل تھیں۔ اُن کی شخصیّت میں ایسا سحر تھا کہ اُنہیں پہلی دفعہ دیکھ کر ہی اُن کی طرف بڑھنے، بڑھ کر روکنے اور روک کر کلام کرنے کو دل چاہنے لگتا تھا جب وہ پہلی دفعہ لاہور تشریف لائیں تو والد صاحبؒ نے فرمایا کہ "مجھے ان کی تشریف آوری کی از حد خوشی ہے اور اس سے زیادہ بوجھ ہے"۔ جب دریافت کیا گیا کہ ابو کس چیز کا بوجھ ہے؟ تو فرمایا بوجھ اس چیز کا ہے کہ ان کی خاطر داری میں کسی قسم کی کمی نہ رہ جائے۔" اسی دوران والد صاحبؒ نے مرحومہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ "آپ علم و فضل کے اس منصب پر فائز ہیں کہ عورتوں میں لاکھوں میں سے ایک کو یہ منصب نصیب ہوتا ہے۔"

مرحومہ کو اللہ تعالیٰ نے جن عظیم خُوبیوں اور صفاتِ جمیلہ سے نوازا تھا وہ بہت کم کسی میں جمع ہوتی ہیں، ورع و تقویٰ، حزم و احتیاط، اور جود و کرم جیسی بلند پایہ صفات کے علاوہ آپ شب بیداری اور اوراد و وظائف پر پابندی میں بھی ممتاز تھیں۔ مستقل مزاجی صبر و شکر آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان و قلم میں اس قدر برکت عطا فرمائی تھی کہ آپ جو وظیفہ بتلاتی تھیں وہ پُراثر ہوتا تھا اور جو تعویز دیتی تھیں وہ تیر بہدف ہوتا تھا۔ آپ اپنے والد صاحبؒ سے دلی محبّت رکھتی تھیں آپ نے ہمیشہ اپنے والد صاحبؒ کی بھرپُور توجّہ حاصل کی۔ حتّٰی کہ بچپن میں دورانِ سفر مرحومہ کی موجودگی ناگزیر تھی۔ "شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات" میں کئی واقعات آپ (مرحومہ) کی ذات سے منسوب ہیں۔ ایک خاتون ہوتے ہُوئے آپ نے اپنے والدؒ کے مشن کی جس طرح نشو و نما اور آبیاری کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پاکستان میں کئی دینی مجالس آپ کی سرپرستی میں منعقد ہُوئیں جس میں آپ کی ایمان افروز باتوں اور تعلّق باللہ کے اظہار نے حاضرین مجلس پر اس انداز سے اثر ڈالا کہ سبحان اللہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک بہترین ہمسفر، بہترین دوست، بہترین غمگسار مثالی ماں، مثالی بہن اور مثالی بیٹی تھیں۔ آپ کے ساتھ سفر کیا تو اجنبیّت کا شائبہ تک نہ ہُوا۔ آپ کو تکلیف بتائی تو بالکل اس طرح محسوس کیا گویا ان کی تکلیف بھی یہی ہے مجھے یاد ہے ایک دفعہ اُن کے ساتھ کلور کوٹ جانے کا حسین اتّفاق ہُوا۔ وہاں میرے پیٹ میں شدید درد اُٹھا۔ آپ کو معلوم ہُوا تو بالکل اس طرح تیمارداری کی جیسے کہ ماں اپنے بچّے کی کرتی ہے۔ مجھے دم کیا اور دوا دی۔ آپ کے دم سے اتنا فائدہ ہُوا کہ تھوڑی دیر بعد تکلیف بالکل رفع ہوگئی۔

ہمارا ہندوستان جانا ہُوا تو انتہائی ہنستے مُسکراتے چہرے کے ساتھ ہمارا خیر مقدم کیا اور دورانِ قیام

بالکل ایسا محسوس ہُوا گویا خالہ کے گھر بیٹھے ہیں اور ہنستے مُسکراتے اور تابندہ چہرے کے ساتھ بہت دُعائیں اور بہت پیار دے کر رُخصت کیا۔ ابھی تک اُن کے ہاتھوں کا آخری لمس اپنے سر پر محسوس کرتی ہوں مگر وہ چاند ہمارے آنے کے چند ماہ بعد ہی گہنا گیا۔ وہ ہنستا ہُوا ستارہ ٹُوٹ گیا۔ وہ علم و فیض کا چلتا ہُوا دریا رُک گیا۔ وہ پھُول کملا گیا جس کی خوشبو رگ و جان میں رچ بس گئی تھی۔ وہ مالی داغِ مفارقت دے گیا جس سے چمن کی آبرُو تھی۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یُوں جُدا ہوں گے
یہ سُنتے گو چلے آئے تھے اِک دن جان ہے جانی

جانے والا دُنیا سے چلا جاتا ہے مگر اپنی خوشبو، اپنے ساتھ گزرے ہُوئے حسین لمحوں کا تصوّر اپنی باتیں اور اپنی یادیں پیچھے چھوڑ کر یہ کہنے پر مجبور کر جاتا ہے۔

بُلبل چمن سے اُڑ گئی، ویرانہ رہ گیا　　مینا شکستہ ہوگئی پیمانہ رہ گیا
مے کے بغیر نام کا میخانہ رہ گیا　　گم ہوگئی حقیقتیں افسانہ رہ گیا

پہلی سی دلکشی نہیں لیل و نہار میں
جب تم نہیں تو کچھ بھی نہیں روزگار میں

جب انجمن سجانے کو احباب آئیں گے　　عیش و نشاطِ رُوح کا سامان لائیں گے
ویرانۂ حیات کو جنّت بنائیں گے　　گُل ہوں گے ہر طرح کے وہ خوشبُو نہ پائیں گے

ڈھونڈے گی ہر طرف تجھے چشمِ وفا پسند
بے اختیار یاد کریں گے نیاز مند

آخر میں دُعا ہے۔

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت محترم حافظ محمّد یعقوب صابر صاحب مینیجر "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ (ادارہ)

نفس سے خطاب

○

تحریر: مرحومہ سیّدہ ریحانہ مدنی صاحبہؒ صاحبزادی حضرت شیخ الاسلامؒ

مرحومہ سیّدہ ریحانہ مدنی صاحبہؒ کی وفات کے بعد موصوفہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ تحریر دستیاب ہوئی تھی جسے قارئینِ "انوارِ مدینہ" کی خدمت میں برائے افادہ پیش کیا جا رہا ہے۔

○

اے نفس! تو اعمال کو بجا لانے میں کیوں غفلت سے کام لے رہا ہے اور ہمیشہ سستی اور تکاسل کیوں کرتا رہا ہے۔ خُدا کا نام لے کر کمربستہ ہو جا اور سستی اور تکاسل جیسی کمزوریوں کو اپنی ذات سے دور کر دے تیری ذات میں کچھ نہیں۔ تیری ذات میں شرف اور عظمت تو محض خداوند کریم کے احکامات بجا لانے میں ہے جو کچھ اللہ کا ارشاد ہو اس کو بجا لانے میں تاخیر نہ کر۔ وہ تیرے اندر جو جنبش اور حرکت پیدا کریں تو وہی جنبش اور حرکت کر۔ اگر تو اپنے اعمال و عبادت پر نظرِ غامض کرتا دیکھے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تیرے اعمال کسی کام کے نہیں۔ جب حقیقتِ اعمال ایسی ہے تو پھر ان پر ناز کر کے سستی کرنے کا کیا مطلب؟ اگر اعمال دُرست بھی ہیں تب بھی تو، تو کسی پر احسان نہیں کر رہا ہے۔ محض اپنی ہی ذات کے فائدے کے لیے سب کچھ کرتا ہے۔ اعمال نیک کر کے خُدا یا رسُول یا اس کی مخلوق پر احسان کیوں جتلا رہا ہے۔ یہ عادت تو مذمومہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن بایں الفاظ کر رہا ہے۔ (یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ط قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ج بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ: الآیۃ)

"یہ لوگ اسلام لانے اور مُسلمان ہو جانے کا آپ پر احسان جتلاتے ہیں آپ ان سے فرما دیجیے کہ تمہارا ایمان لانا مجھ پر احسان نہیں بلکہ تم پر خُدا کا احسان ہے جس نے تم کو ایمان جیسی انمول نعمت عطا فرمائی"۔

تیرے عمل سے مخلوق کو کیا فائدہ کہ ان پر احسان جتلا کر ناز کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے فائدے کی خاطر کوئی کام کرے اور پھر دوسروں پر احسان جتلائے یہ اُس کی خام خیالی اور بداندیشی کا نتیجہ ہے۔ میں اس بات کو ذرا مزید آگے بڑھ کر عرض کرتی ہوں کہ تُو نے تو اپنی تمام عمر میں کوئی کام بھی خُدا کے لیے نہیں کیا۔ تمام کاموں کو اُجرت پر کر رہا ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ کہ اُنہیں اعمال پر دُنیا و آخرت کی بھلائی

کی اُمیّد بھی رکھتا ہے۔ کمائی اور کسب کر کے تو اپنی آخرت کا توشہ اور زاد جمع کر رہا ہے اور پھر خدا پر کیا احسان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ، یعنی اگر تم نیکی کر رہے ہو تو وہ تمہارے ہی لیے ہے۔

تو بندگی اور آہ و زاری کر کے خداوند کریم سے دُنیا و آخرت کی بھلائیوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ بندگی کا طریقہ نہیں۔ بندگی تو یہ ہے کہ تمام کام محض خُدا کی خوشنودی کے لیے کرتا رہے اس پر راحت ملے یا مصیبت اس کی پروا نہ کرے۔ تیری مثال تو اُن دُنیاداروں جیسی ہے جو خود دُنیا کے کام کر کے اپنی زندگی گزارنے کے اسباب مہیّا کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تو ان سے بھی زیادہ حریص ہے اس لیے کہ وہ دُنیا کے کام کر کے دُنیا ہی کے اسباب جمع کرتے ہیں اور تو عبادت کر کے دُنیا و آخرت دونوں جہانوں کے اسباب کی خواہش رکھتا ہے۔ بہرحال اعمال صالحہ میں سستی کرنا بیکار بات ہے اور پھر اس پر ناز کیوں اور کس بِنا؟

خداوند کریم کی عنایت فرمودہ فرصت کو غنیمت جان کر تیزی اور ہمت کے ساتھ عبادت میں منہمک ہو جا۔ اور اس بات سے ڈرتا رہ کہ خدا تجھے کہیں بیکار نہ بنادے۔ اور ان لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ گریز اور پرہیز کر جن کے قلوب کو دُنیا کی محبّت نے مسخ کر دیا اور وہ گناہوں میں ملوث ہو کر اپنی اخروی زندگی کو برباد کر رہے ہیں۔ اگر تو بھی ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنے لگا تو اللہ تعالیٰ تیرے نام کو سعادت مندوں کی فہرست سے نکال دیں گے۔

تجھ کو چاہیے کہ اپنی ذات میں خدا کی نعمتوں پر غور کر اس لیے کہ انسان کے اپنے ہی وجود میں اللہ رب العزت کی ہزارہا نعمتیں مضمر ہیں۔ ایک فلسفی کہتا ہے کہ انسان کے اندر ہزار حکمتیں ہیں اور اللہ کا یہ ارشاد ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ، یعنی تمہارے نفسوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیاں موجود ہیں۔ اگر تم غور کرو۔ انہیں نعمتوں کا خیال کر اور عمل میں مشغول ہو۔ پھر اس عمل میں خود بخود اضافہ اور ترقّی ہوتی رہے گی۔ بہترین ترقی یہی زیادتی عمل ہے جس کو اہلِ سلوک طلب کرتے ہیں۔ قیامت کے دن جب اس عمل کے نُور تو اپنے اندر دیکھے گا تو حسرت اور افسوس کرے گا کہ کاش مَیں اس سے زیادہ عمل کرتا اور دُنیا میں ایک ساعت بھی غافل نہ رہتا، مگر اس وقت یہ حسرت اور تأسف کارگر نہ ہوگا۔ دُنیا دار العمل ہے اور آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں پر فصل بوئی جاتی ہے اور آخرت میں کاٹی جاتی ہے۔

یہ بات اپنے گوش و ہوش سے سُن لے کہ ہر عمل ایک نُور رکھتا ہے اگر اس عمل کو ترک کیا جائے تو

نور ختم ہو جاتا ہے اور خصوصاً فرائض و واجبات اور سننِ مؤکدہ، ان کا نور اتم اور اکمل ہے۔

اللہ کی مہربانی اور عنایت کا ہمیشہ خیال رکھ اور ان اعمال کی بجا آوری کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور اپنے تمام اعمال خدا کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لیے کر۔ خدا کی عادت یہی ہے کہ آخرت کی نعمتیں اعمال صالحہ ہی پر موقوف ہیں۔ اس میں ذرا برابر بھی تخلف نہیں۔ یعنی خدا جس کو نوازتے ہیں عبادت اور اطاعت ہی سے نوازتے ہیں اگر ترکِ عبادت کا سبب کسل اور سستی ہے تو ایک ساعت صبر کر اور جوانمردی سے کھڑے ہو کر بسترِ استراحت کو ترک کر اور ثابت قدمی سے عبادت میں مصروف ہو جا۔ اگر تو اپنے بسترِ استراحت پر یُوں ہی آرام کرتا رہا تو پھر کبھی بھی کچھ توفیق نہ ہو گی۔ اس لیے کہ اس وقت تیرا ساتھی شیطان، ہم آغوش ہے۔ وہ تجھے کہاں جانے دے گا۔ اگر کھڑا ہو کر وضو کرے اور عبادات اور ذکر باری تعالیٰ میں منہمک ہو جا تو شیطان راہِ فرار اختیار کرے گا۔ پھر تیرا سب وجود نورانی ہو جائے گا اور اگر سستی کا سبب کثرتِ طعام ہے تو اس میں کمی کر دے۔ اور اگر سستی کا سبب نیند کا غلبہ ہے تو نیند از قسم مرگ و موت ہے اور مرگ و موت سے تجھ کو بھاگنا چاہیے۔ ایسی موت پر تو راضی کیوں ہے اور اپنے کو تو مردوں میں کیوں شمار کرتا ہے اور اگر سستی کا سبب ضعف ایمان اور فتور فی الاعتقاد ہے تو پھر ایک ساعت خدا کے ذکر میں مشغول ہو کر دیکھ یہ سب بے اعتقادی پارہ پارہ ہو جائے گی، لیکن جاننا چاہیے کہ کوئی چیز مداومت اور استقلال سے زیادہ مؤثّر نہیں ہے، تو اس چیز کو مضبوط ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے۔ پھر دیکھ سستی اور کاہلی ہبَاءً مَنْثُورًا ہو جائے گی۔ خصوصاً فرض پر مداومت اور اس کی توفیق پُختہ ہو جاوے تو پھر تہجد بھی بہت مؤثّر ہے۔ اس وقت خُداوند کریم کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ جنّت میں تو حسین و جمیل محلات ہوں گے، حوریں ہوں گی۔ طرح طرح کی نعمتیں ہوں گی۔ رسیلی آوازیں ہوں گی، مگر وہ تمام لذّتیں تہجد کے لیے اُٹھنے والوں کو اس وقت ملتی ہیں، وہی سکینہ وہی نور آدمی جو مانگے وہی ملتا ہے۔ غرض یہ کہ جو عمل کیا جائے بہت بہترین طریقے سے کیا جائے اور جو عمل کرے اس وقت اس بات کا خیال رکھے کہ شاید یہ میرا آخری عمل ہے اس کے بعد شاید میں کوئی اور عمل نہ کر سکوں۔ غرض یہ کہ تجھے ہر عمل بڑی ہوشیاری سے کرنا چاہیے اس بات میں اور کیا کہوں، بس اتنا ہی کافی ہے۔

○

مروّجہ سنہ عیسوی میں کیا کیا اصلاحیں ہوئیں

مولانا عبدالرّشید نعمانی

موجودہ سنہ عیسوی دراصل رُومی سنہ ہے جس کے بیشتر مہینوں کے نام مختلف رومی دیویوں اور دیوتاؤں کے ناموں سے لیے گئے ہیں اور یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے کہ ایک جداگانہ نظامِ تقویم کے حامل ہونے کے باوجود ہم لوگ اپنی روزمرّہ تحریروں میں ایسے مہینوں کا عام استعمال کرتے ہیں جو افسانوی قسم کے باطل دیوتاؤں کی طرف منسوب ہیں حسبِ تصریح جوہری طنطاوی اُن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

مہینہ کا نام	وجہ تسمیہ
جنوری	یہ جانوس سے ماخوذ ہے۔ جانوس ایک دیوتا کا نام ہے۔ رومی لوگ اس کے آگے پیچھے دو چہرے بناتے تھے جس سے وہ سامنے اور پیچھے دونوں جانب دیکھتا تھا۔
فروری	یہ نام فروا نامی ایک دیوی سے ماخوذ ہے جسے اہلِ رُوم کے ہاں طہارت کی دیوی کا مقام حاصل ہے۔
مارچ	یہ مارس سے ماخوذ ہے جو رومیوں کے نزدیک جنگ کا دیوتا ہے۔
اپریل	یہ نام ابیریری کے لفظ سے ماخوذ ہے جس کے معنی رومی میں کسی چیز کے پھُوٹنے یا کھلنے کے ہوتے ہیں۔ اس مہینے کا یہ نام اس مناسبت سے تجویز کیا گیا ہے کہ اس میں پھُول کھلتے ہیں۔
مئی	میا سے ماخوذ ہے جو افسانوی شیطان اٹلس کی بیٹیوں میں سے ایک کا نام ہے۔
جُون	یہ نام یونون سے ماخوذ ہے جو دیویوں کے سردار جیوپٹر کی بیوی تھی۔

جولائی	جولیانی تقویم کے بانی جولیس قیصر کی یادگار کے طور پر اس مہینے کا نام "جولائی" رکھ دیا گیا۔
اگست	رومیوں کے پہلے بادشاہ اور جولیس قیصر کے جانشین اغسطس کی یادگار کے طور پر اس مہینے کا نام "اگست" رکھ دیا گیا۔
ستمبر	اس کے معنی ہیں "ساتواں مہینہ" جبکہ قدیم اُصول کے مطابق مارچ کو سال کا پہلا مہینہ شمار کیا جاتا تھا۔
اکتوبر	اس کے معنی ہیں "آٹھواں مہینہ" جبکہ قدیم اُصول کے مطابق مارچ کو سال کا پہلا مہینہ شمار کیا جاتا تھا۔
نومبر	اس کے معنی ہیں "نواں مہینہ" جبکہ قدیم اُصول کے مطابق مارچ کو سال کا پہلا مہینہ شمار کیا جاتا تھا۔
دسمبر	اس کے معنی ہیں "دسواں مہینہ" جبکہ قدیم اُصول کے مطابق مارچ کو سال کا پہلا مہینہ شمار کیا جاتا تھا۔[۱]

موجودہ سنہ عسوی کی اصلاح سب سے پہلے جولیس قیصر کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ قیصر مذکور نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ۴۵ سال قبل ۷۰۹ء رومی میں اسکندریہ سے مصر کے مشہور فلکی سوسی جینس کو اس غرض سے طلب کیا تھا کہ سال شمسی کو مرتّب و منظّم کر دے، چنانچہ اُس نے اوّلاً اعتدال ربیعی کا دن رصد سے معلوم کیا تو اس کے حساب سے ۲۵ مارچ کا دن نِکلا۔ پھر فلکی مذکور نے حسبِ ذیل نقشہ کے مطابق قیصر کے لیے سنہ شمسی کو مرتّب کر دیا۔

تعداد ایّام	رُومی مہینوں کے نام	مہینوں کے موجودہ نام
۳۱	جانواریوس	جنوری
۲۹ اور سال کبیسہ میں ۳۰	فبرواریوس	فروری

[۱] ملاحظہ ہو الجواہر فی تفسیر القرآن للکریم ج ۵ ص ۱۱۰ طبع دوم ۱۳۵۳ھ

۳۱	مارتیوس	مارچ
۳۰	اپریلیس	اپریل
۳۱	ما یوس	مئی
۳۰	یونیوس	جون
۳۱	کینتلیس	جولائی
۳۰	سیکستیلس	اگست
۳۰	ستنبر	ستمبر
۳۱	اکتوبر	اکتوبر
۳۰	نومبر	نومبر
۳۱	دسمبر	دسمبر

فلکی مذکور نے ماہ فروری کے بارے میں یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ وہ ۳ سال تک مسلسل ۲۹ دن کا ہُوا کرے گا۔ ہر چوتھے سال ۳۰ دن کا شمار کیا جائے گا۔ جولیس قیصر نے اس اصلاح کی یادگار میں ماہ کینتلیس (مطابق ماہ تموز) کا نام بدل کر اپنے نام کی نسبت سے اس کا نام "جولائی" کر دیا۔

سنہ عیسوی میں دوسری تبدیلی

بعد کو جب شاہ اگستس[1] نے اس کی گدی سنبھالی تو چونکہ یہ بڑا مغرور خود پرست بادشاہ تھا اور جیسا کہ بیرونی کا بیان ہے۔ سب سے پہلے "قیصر" کا لقب بھی اسی نے اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ تسمیہ بیرونی نے یہ لکھی ہے کہ "قیصر" کے معنی فرنگی زبان میں اس چیز کے آتے ہیں جس کو چاک کر کے نکالا گیا ہو چونکہ اس کی ماں دردِ زہ میں مر گئی تھی اور اس کو شکمِ مادر سے چاک کر کے نکالا گیا تھا اس لیے اس کا لقب ہی "قیصر" پڑ گیا۔

اگستس ازراہ تکبر اکثر کہا کرتا تھا کہ میں اندامِ نہانی کے راستہ باہر نہیں آیا[2]۔ بہر حال جب یہ تخت

---

[1] "اگست" کے معنی حسن وفقی بک نے مقدس کے لکھے ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ ص ۲۹

نشین ہُوا تو اس کی آتشِ حسد نے جوش مارا اور اُسے خیال ہُوا کہ جولیس کے نام کو تو اس اصلاح کی بدولت بقائے دوام حاصل ہُوا کہ ماہ "جولائی" ہر سال اس کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔ آخر مَیں اس سلسلہ میں اپنی یادگار کیوں نہ چھوڑوں، اس خیال سے اس نے بھی ماہ "سکستیلس" جو جولائی کے بعد آتا ہے اپنے نام پر "اگست" سے موسوم کر دیا اور چونکہ یہ مہینہ ماہ "آب" کے مطابق تھا جس کے تیس دن ہوتے ہیں اس لیے اس کے تکبّر نے اس بات کو بھی گوارا نہ کیا کہ جو مہینہ اُس کے پیش رَو کے نام سے منسوب ہے وہ تو اکتیس دن کا ہو اور جو مہینہ خود اُس کے نام پر موسوم ہو وہ تیس دن کا، اس لیے اس نے اس سَنہ میں بمقتضائے "ایجاد بندہ اگرچہ گندہ" یہ اصلاح کی کہ ماہ "اگست" کو بھی بجائے تیس کے اکتیس ہی کا قرار دے دیا اور ماہ فروری کے بارے میں جو تین سال تک اُنتیس کا اور ہر چوتھے سال تیس دن کا شمار کیا جاتا تھا۔ یہ قاعدہ وضع کیا کہ آئندہ سے یہ ایک دن کم کر کے تین سال تک اٹھائیس دن کا اور ہر چوتھے سال اُنتیس دن کا شمار ہُوا کرے گا۔ جولائی اور اگست کے باہم ۳۱، ۳۱ دن کے ہونے کی اصل حکمت یہ ہے۔ یہ "تقویم جولیس" سے موسوم ہے۔

سَنہ عیسوی میں تیسری اصلاح

پھر ۱۰۷۹ رومی یعنی ۳۷۰ جولیسی مطابق ۳۲۵ عیسوی میلادی میں شہر ازنیق میں جو اناطولیہ کے مضافات میں واقع ہے۔ پوپ پادریوں کی ایک روحانی مجلس اس غرض سے منعقد ہُوئی کہ عیسائیوں کی عیدوں اور اُن کے مقدس دنوں کی تعیین کی جائے، چنانچہ اس مجلس نے تاریخ عیسوی کا مبداء حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت باسعادت کو قرار دیا، ارکان مجلس کی رائے میں حضرت عیسٰی علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت ۲۶ دِسمبر کو ہُوئی تھی۔ اس لیے یکم جنوری سے سَنہ عیسوی میلادی کا آغاز قرار دیا گیا۔ اس مجلس نے "تقویم جولیس" کو جوں کا توں برقرار رکھا بجز اس کے کہ "اعتدال ربیعی" کا دن بجائے ۲۵ مارچ کے اب سے ۲۱ مارچ مقرّر کر دیا گیا کیونکہ سوسی جینس فلکی نے جب جولیس قیصر کے زمانے میں رصد سے "اعتدال ربیعی" کا وقت معلوم کیا تھا تو وہ ۲۵ مارچ کا دن تھا، لیکن اب ۳۷۰ برس گزر جانے کے بعد جب ازنیقی مجلس نے رصد سے اس کا حساب لگایا تو معلوم ہُوا کہ اب تک چار دن کا فرق پڑ چکا ہے اور اب "اعتدال ربیعی" کا دن بجائے

۲۷ مارچ کے ۲۱ مارچ ہوگیا ہے، کیونکہ آفتاب اوّل برجِ حمل میں اسی تاریخ کو داخل ہوتا ہے۔

بہرحال ان پادریوں نے یہ اصلاح کر کے اپنی عیدوں تہواروں اور مقدس دنوں کا تعین اسی اصلاح یافتہ سنہ کے اعتبار سے کرلیا، لیکن سارے ارکانِ مجلس میں سے کسی کو اتنا خیال نہ آیا کہ "اعتدال ربیعی" میں یہ چار دن کا فرق ۳۰۷ سال کے عرصہ میں کیسے پڑ گیا اور آئندہ اس کی کیا صورت ہو کہ پھر یہ فرق نہ پڑنے پائے مگر اُنھوں نے اتنی ہی اصلاح ضروری سمجھی اور مدّت تک مذہبی دنوں کے تعین کے سلسلہ میں اسی طریقہ کار پر عمل درآمد ہوتا رہا۔

سنہ عیسوی کا استعمال کب سے شروع ہوا

پھر ۵۲۸ء سے تاریخ میلادی کا استعمال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ تمام مسیحی اقوام میں سنہ عیسوی کا عام رواج ہوگیا جو بغیر کسی ادنیٰ تغیّر و تبدّل کے "تقویم جولیس" کے مطابق سولھویں صدی کے آخیر تک رائج رہا[۱]۔

سنہ عیسوی میں چوتھی اصلاح

پھر سولھویں صدی عیسوی کے آخیر میں پوپ گریگوری سیزدہم نے اس حساب میں یہ اصلاح کی کہ "تقویم جولیس" میں سے دس دن اور گھٹا دیے، چنانچہ اس نے یوم پنجشنبہ ۴ اکتوبر ۱۵۸۲ء کے بعد والے جمعہ کی تاریخ ۵ اکتوبر کے بجائے ۱۵ اکتوبر قرار دی اور یہ قاعدہ بنایا کہ

---

[۱] فارسی زبان کے کسی شاعر نے انگریزی مہینوں اور سال کبیسہ (لوند کے سال) کے معلوم کرنے کے قاعدہ کو اس طرح نظم کر دیا ہے۔

جنوری و فروری و مارچ اپریل و مئی　　جون جولائی اگست و نیز سیتمبر بدان
ہست اکتوبر نومبر ہم دسمبر آخریں　　از شہور سال انگریزی بسان رومیان
پس بود اپریل و جُون و نیز سیتمبر دگر　　شد نومبر ایں ہمہ سی روزہ باشد درمیان
فروری دو کم بود لیکن بسال چار مین　　یک بریں افزا کبیسہ بست و نہ گردو عیان
ھفت باقی سی و یک روز است گر قسمت کنی　　سالہائے عیسوی بر چار تا اے مہربان
بر نیاید کسر گر سال کبیسہ شد ہمیں　　ور بر آید بس بترک کسر کن تقسیم آن
گر یکے ماند ز سال بے کبیسہ اوّل است　　ور دو دوم در سہ سوم سال باشد بیگمان

۱۷۰۰ء، ۱۸۰۰ء اور ۱۹۰۰ء میں کبیسہ کا دن ضم نہ کیا جائے اور آئندہ سے ہر تین سال ۳۶۵ دن معمول کے مطابق شمار کیے جائیں اور ہر چوتھا سال ۳۶۶ دن کا سال کبیسہ مانا جائے۔

اس اصلاح کا سبب یہ تھا کہ شمس کی حرکتِ دَوری حقیقت میں وہ نہ تھی جو جولیس کی تقویم میں مقرر کی گئی تھی یعنی دَورِ شمسی کی مُدّت (۳۶۵ دن ۲۵۰۰) نہ تھی بلکہ (۳۶۵ دن ۲۴۲۲۱۶) تھی اور اسی غلطی کا یہ نتیجہ تھا کہ جس طرح سابق "تقویم" جولیس کے حساب سے "اُعتدال ربیعی" کا دن ۲۵ مارچ کی بجائے ۲۱ مارچ ہوگیا تھا۔ اب بجائے ۲۱ مارچ کے ۱۱ مارچ ہوگیا تھا، چنانچہ جب یہ نکتہ پوپ صاحب پر کھلا تو مجبوراً اُن کو اس حساب میں سے دس دن کم کر کے اپنے ایّام مذہبی کی تعیین کرنی پڑی جب سے آج تک پوپ صاحب کی اسی اصلاح کے مطابق عملدر آمد چلا آرہا ہے آگے اللہ جانے اور کیا اصلاح کرنی پڑے۔

تقویم گریگوری اور مسیحی اقوام

پوپ گریگوری کی مذکورہ تصیحات کو سب سے پہلے فرانس میں سند قبول عطا کی گئی، چنانچہ وہاں کے شاہ ہنری سوم کے حکم سے یک شنبہ ۹ دسمبر کے بعد جو دوشنبہ آیا تو اس روز بجائے دسمبر کی ۱۰ تاریخ کے ۲۰ تاریخ قرار دی گئی اور اس وقت سے لے کر ۲۲ ستمبر ۱۷۹۲ء تک فرانس میں اسی تاریخ پر عمل ہوتا رہا۔ پھر ۲۲ ستمبر ۱۷۹۲ء سے حکومتِ فرانس نے اپنے سنہ میں یہ تبدیلی کر دی کہ آغازِ سال شمس کے نُقطہ "اُعتدال خریفی" پر آجانے سے قرار دیا اور سال کے سب مہینے تیس تیس دن کے کر دیے۔ پھر اختتام سال پر معمولی سالوں میں ۵ دن اور سال کبیسہ میں چھ دن کا اضافہ مقرر کیا تاکہ شمسی کی تکمیل ہو سکے۔ ۱۸۰۵ء کے اختتام تک حکومتِ فرانس اسی حساب پر عامل رہی۔ پھر ۱۷ جنوری ۱۸۰۶ء سے گریگوری کی تقویم پر حسبِ سابق عمل شروع ہوگیا۔

لیکن حکومتِ انگلستان ۱۷۵۱ء تک "تقویم جولیس" ہی پر عمل کرتی رہی بعد کو جارج دوم کے زمانے میں اس کے عہدِ حکومت کے چوبیسویں سال حسب قرار داد پارلیمنٹ اس تقویم کو ترک کر کے گریگوری کی تقویم کو قبول کیا گیا، چنانچہ ۲ ستمبر ۱۷۵۲ء یوم چہار شنبہ کے بعد یومِ پنجشنبہ کو بجائے ۳ ستمبر کے ۱۴ ستمبر تاریخ قرار دی گئی۔ اس سے پہلے چار سو سال انگریزوں کا مالی سال ۲۵ مارچ سے شروع ہوتا تھا۔

۱۷۵۳ء سال کا پہلا دن یکم جنوری کو قرار دیا گیا۔ ؎

روس میں سال کا آغاز ستمبر کی پہلی تاریخ سے ہوتا تھا۔ ۱۶۹۹ء میں قیصر روس پطرس کبیر نے یہ حکم دیا کہ رُوس میں بھی یورپ کی طرح سال کا آغاز یکم جنوری سے قرار دیا جائے۔ قیصر روس پطرس مذکور نے آغاز سال کا دن تو بدلوا دیا، لیکن اس سے اتنا نہ ہوسکا کہ "تقویم جولیس" کو ہٹا کر گریگوری کی تقویم کو نافذ کر دیتا نتیجہ یہ ہُوا کہ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم تک رُوس اور یُونان میں عملدرآمد اسی غلط تقویم پر ہوتا رہا تاآنکہ رُوس میں انقلاب آیا، زار کی حکومت کا تختہ اُلٹا اور کمیونزم کا راج ہوگیا۔

بعدازاں یکم اکتوبر ۱۹۲۳ء کو رُوس اور یوگوسلاویہ کے چرچ نے سنہ عیسوی کے شمار کے لیے جولیس کے حساب کو بدل کر گریگوری کے حساب کو اختیار کر لیا۔

غرض گریگوری سیزدہم نے اوائل مارچ ۱۵۸۱ء میں سنہ عیسوی کی اصلاح کا حکم دیا، چنانچہ مجلس از نیقی کے وقت انعقاد سے لے کر اَب تک یعنی ۳۲۵ء سے لے کر ۱۵۸۲ء تک تقریباً دس دن کا فرق جو ۱۲۵۷ سال میں ہوگیا تھا۔ اُس کو دُرست کرنے کی غرض سے جمعہ ۱۵۸۲ء کو اکتوبر کی ۵ تاریخ کے بجائے ۱۵ تاریخ شمار کی گئی اور اُس روز سے کیتھولک فرقہ نے جس کی حکومتیں فرانس، اٹلی، اسپین اور پرتگال میں قائم تھیں۔ اسی تاریخ پر عمل شروع کر دیا، لیکن پروٹسٹنٹ نے اس اصلاح کو ۱۷۰۰ء سے پہلے قبول نہیں کیا اور انگریزوں نے تو اس کو ۱۷۵۲ء میں اپنے یہاں نافذ کیا ہے سب سے آخر میں اس اصلاح کو آرتھوڈکس فرقہ نے قبول کیا جس کے پیرو رُوس یوگوسلاویہ اور دیگر ریاستہائے بلقان میں ہیں اور اَب تو سارے یورپ میں یہی تاریخ مروج ہے۔ ؎

یہ ہے اس سنہ عیسوی کا تاریخی جائزہ جس پر ساری مسیحی دُنیا کا دارومدار ہے۔ مقامِ عبرت

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

؎ اس ساری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تقویم المنہاج القدیم از حسن وفقی بک ص ۱۱۰ تا ۱۱۹ مطبع سلفیہ قاہرہ ۱۳۴۵ھ

؎ یہ واضح رہے کہ انگریزوں کو تو اپنے سنہ مروجہ کی غلطی ۱۷۵۲ء میں معلوم ہوئی مگر ہندوستان کے مسلمانوں نے اس غلطی کی نشاندہی ان کی اصلاح سے ۳۳ سال پہلے ۱۷۱۹ء میں کر دی تھی۔ ملاحظہ ہو زیچ بہادرخانی، باب ہفتم در معرفت تاریخ عیسوی از مولوی غلام حسین جون پوری، طبع بنارس ۱۸۵۳ء۔

مکتوبِ گرامی

○

مولانا عبدالحق مدنی مدّظلہٗ مسجد شاہی مُراد آباد (یو۔پی) کے نام

الی الاخ المحترم ! زادت معالیه آمین: السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

اما ما وقع فی مسئلة الحجاز و ابن سعود فنعم ههنا شر ذمة تخالف النجدین منهم من کان مخالفا لهم لتوغله فی البدع و احتال فی هذا الامر بالمظالمة التی وقعت فی الطائف و بما وقع من هدم القبب وغیرها، ومنهم من کان مستندا الی الشریف ولم یکن یجد سبیلا لاظهار مضمراته والآن وجد لذالک طریقا فصار یشیع تیک المظالم والعقائد لرجوع الناس الی الشریف وقد وقعت المکاتبات بین الناس الی الشریف وقد وقعت المکاتبات بینی و بین بعضهم و انا اری انه لو اقیم هنالک الشیخ السنوسی تنسد اکثر ابواب الفتن والا فحکومة ابن سعود ایضا فیها صلاح لکثیر من الامور السیاسیة

مسئلہ حجاز اور ابنِ سعود کے بارے میں جو حالات پیش آگئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ ایک مختصر جماعت یہاں بھی اُن کی مخالف ہے، بعض تو اس لیے کہ وہ خالی بدعتی ہیں اور اس کے لیے اُنہوں نے ان مظالم کو جو طائف میں ہُوئے ہیں اور جو قبّے وغیرہ ڈھائے گئے ہیں، بہانہ بنا لیا ہے، کچھ لوگ شریف حسین کے حامی ہیں، جو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نہیں پاتے تھے، اب اُن کو موقع مل گیا ہے، وہ لوگ نجدیوں کے ان مظالم اور اُن کے عقائد کی اشاعت اس لیے کرتے ہیں، تاکہ لوگ شریف حسین کی تائید کریں، ان حضرات میں سے بعض سے خط وکتابت رہی میرا خیال ہے کہ اگر شیخ سنوسی کو وہاں کی ذمّہ داری دے دی جائے تو اکثر فتنوں کے دروازے بند ہو جائیں گے ورنہ پھر ابنِ سعود کی حکومت میں سیاسی معاملات کے

وان كان رأيكم على خلاف ذالك ـ انا ارى ان سائر العربان مسروحهم وغير مسروحهم من الوالو والهذيل والهثيم وغيرهم حجازيهم وتهاميهم يمنيهم ونجديهم وغيرهم يخافونه كالغنم من الذئب فلا يمكن لشيء من هذه القبائل ان تطيل يدها على العرب كما كانت في حكومة الشريف وكذلك السفهاء بمكة والمدينة وعبيد الاشراف بل الاشراف ايضًا لا يقدرون على ان يؤذوا احدًا وكذالك ماكان في المدينة المنورة من تعدد الحكام وجريان الاحكام القرقوشية فيها وميلان كل حاكم الى من طاوعه وقدم له مايشتهيه وتسلط العربان واولاد الحارة على الناس وكذالك المصادرات الباهضة والجمارك الثقيلة التي كانت على التجار واصحاب الاموال وكذالك الحيل الباطلة التي كانت تصطاد بها اموال الحجاج فيقدم البعض الى الشريف والبعض الآخر لعمّاله والبعض للمطوفين وشيوخهم وغير ذالك من الامور الشنيعة ارجو ان يحصل بحكومته

سُلجھانے کی صلاحیت تو موجود ہی ہے، اگرچہ آپ لوگ اس رائے کے مخالف ہیں مَیں تو دیکھتا ہُوں کہ تمام عرب، بدوی، شہری، والم، ہذیل، حجازی تہامی، یمنی، نجدی، وغیرہ سب کے سب ابنِ سعود سے اس طرح ڈرتے ہیں، جیسے بکری بھیڑیئے سے ڈرتی ہے، لہٰذا یہ قبائل اب عرب پر ایسی دست درازی نہیں کر سکتے۔ جیسے شریف حسین کے زمانے میں کرتے تھے اور اَب مکّہ و مدینہ کے جہلا، اشراف اور اراذل بھی کِسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، اسی طرح اور بھی بہت سی خرابیاں نجدی نظامِ حکومت میں دُور ہو گئیں، مثلاً مدینہ منوّرہ میں حکّام کی کثرت، قرقوشی قوانین کا نفاذ، ہر حاکم کی بے جا حمایت اور پاسداری ان اشخاص کی، جو ان کی خوشامد اور اطاعت کرتے تھے، بدوؤں اور محلے کے لڑکوں کے لوگوں پر مظالم، تاجروں اور سرمایہ داروں پر محاصل اور ٹیکسوں کی بھرمار، حجّاج سے مختلف حیلوں سے رقمیں وصول کرنا۔ کچھ شریف کو دینا، کچھ حاکموں کو نظر کرنا، کچھ معلموں اور شیوخ کی جیب بھرنا۔ میرا خیال ہے کہ ابنِ سعود کی حکومت اُن تمام خرابیوں کو بیک وقت دُور کر دے گی، ہاں مجھے اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ شرعی مسائل اور احکام میں اُنکی حدود سے متجاوز زیادتیاں بہت

اصلاح الجميع مرة واحدة، نعم اخاف انا
ايضا من تشدداتهم المتجاوزة من الحد في الديانات
ان يحصل ما لاخير فيه فانهم لا توسط لديهم
سيما عند عامتهم وذالك يفر قلوب النّاس
فتحشى نفرة الاسلام الآفاقية ويجد بذالك
اصحاب الاهواء سبيلا لتسويل الكفار على الحرمين
الشريفين اعاذنا الله من ذالك وكذالك يحصل
به مظالم على النّاس كما وقع سالفا لدى تسلطهم
على الحجاز والحاصل ان السياسة يرجى منهم
فيها منافع واصلاحات ولكن الديانة
تجمع بين الحسن والقبيح والتشديد غير
مرضى لدى النبى عليه السّلام ومنتج
مضار كثيرة۔ ثم الدولة الانكليزية
تريد القاء الفتن بين المسلمين
فلا اطمينان من جهته على اخوانه
اذا حصلوا ما يقويهم كما يظهر
من بعض الاخبار۔ والى الله
المشتكى۔

حسین احمد غفرلہٗ

سی خرابیاں پیدا کریں گی، کیونکہ نجدیوں میں اعتدال
پسندی نہیں ہے، بلکہ اُن کا یہ طرزِ عمل لوگوں
کو اسلام سے متنفّر کر دیگا اور ہوا پرستوں کو اس
بات کا موقع دے گا کہ وہ کافروں کو حرمین شریفین
پر قبضہ کرنے کی ترغیب دیں، خُدا اس فتنے سے
بچائے، اگر اغیار کا تسلّط حرم پر ہو گیا تو لوگوں
پر مظالم ہوں گے جیسا کہ اس کے قبل اُن کے
تسلّط سے حجاز پر مصیبت گُزر چکی ہے، خلاصہ یہ کہ
نجدیوں کی حکومت سے سیاسی بناء پر بہت سے فوائد
اور اصلاحات کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن شرعی
نُقطۂ نظر سے اُن کی حکومت میں خُوبی بھی ہے اور
بُرائی بھی، اور سختی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم
کے نزدیک غیر پسندیدہ چیز ہے جس سے بہت سے
مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں، علاوہ ازیں انگریزی
حکومت مُسلمانوں میں فِتنہ و فساد پیدا کرنا چاہتی ہے
اس لیے شریف اور اُن کے بھائیوں کی طرف سے
مجھ کو اطمینان نہیں ہے، جبکہ اُن کو اقتدار حاصل
ہوگا، جیسا کہ خبروں سے پتہ چلتا ہے۔ والی اللہ
المشتکی

حسین احمد غفرلہٗ

دارُالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

مستفتیین و مستفسرین کے اسماء خود ان کی ہی مصلحت کے تحت محذوف ہیں

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم، مدرس، نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال : کچھ لوگ لاؤڈ سپیکر پر درس قرآن کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اسی دوران کچھ لوگ لیٹرین یا غُسل خانے میں ننگے یا قابلِ اعتراض حالت میں شاید ہوں اور ایسی حالت میں اُن کے کانوں میں قرآن و حدیث کی آواز نہیں پہنچنی چاہیے تو کیا اس بنا پر لاؤڈ سپیکر پر درسِ قرآن بند کر دینا چاہیے، جبکہ عورتیں جو نہ مسجد جاتی ہیں اور نہ جمعہ پڑھنے جاتی ہیں ان کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے لاؤڈ سپیکر پر درسِ قرآن نہایت ضروری ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

جواب : استنجاء وغیرہ کی حالت میں خود اس شخص کو قرآن پاک پڑھنا بلکہ زبان سے کچھ کلام کرنا یا ذکر کرنا منع ہے۔ اگر ایسی حالت میں کان میں کسی کے پڑھنے کی آواز آجائے تو مضائقہ نہیں۔

لاؤڈ سپیکر پر محض اس غرض سے درس دینا کہ قُرب وجوار کی عورتیں گھر میں بیٹھ کر سُنیں نہایت نامناسب ہے اور اس سے پرہیز ضروری ہے کیونکہ

① اگرچہ راجح قول یہ ہے کہ قرآنِ پاک کو سُننا فرضِ کفایہ ہے، لیکن بعض علماء کی رائے میں فرض عین ہے اور اختلاف سے بچتے ہوئے عمل کرنا اولی ہے اور ظاہر ہے کہ لاؤڈ سپیکر میں کی گئی تلاوت بہت سے لوگوں کے کان میں پہنچتی ہے، لیکن اکثر توجہ نہیں کرتے۔

وفی شرح المنیۃ و الاصل ان الاستماع للقرآن فرض کفایۃ لانہ لاقامۃ حقہ بان یکون ملتفتا الیہ غیر مضیع وذلک محصل بالضات البعض کما فی رد السلام ... ونقل الحموی من استاذہ قاضی القضاۃ یحیی الشہیر بمنقاری ذادہ ان لہ رسالۃ حقق فیہا ان استماع القران فرض عین

(ج ۱ ص ۴۰۳ رد المحتار)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ بازاروں اور مشغولیت کی جگہوں پر قرآن پاک (بلند آواز سے) پڑھنا اس کی بے حرمتی کا ارتکاب کرنا ہے اور گناہ پڑھنے والے پر ہوتا ہے۔

الا انہ یجب علی القاری احترامہ بان لا یقرأہ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأہ فیہا کان ھو المضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشتغال دفعا للحرج (ج ۱ ص ۴۰۳ ایضاً)

(۲) کوئی بیمار ہو یا اور کسی مصروفیت میں ہو تو لاؤڈ سپیکر کی آواز اس کے لیے باعث تشویش ہوتی ہے۔

(۳) دُور بیٹھے ہُوئے کے لیے تعلیم کا یہ طریقہ نہایت غیر مہذب اور غیر اخلاقی ہے۔ دین میں بلاوجہ کا شور شغب پسندیدہ نہیں۔

جو درس سُننے کی خواہش مند خواتین ہوں وہ مسجد میں آکر سُن سکتی ہیں۔ یا محلے میں کسی گھر میں اس کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔

سوال: عورتوں پر جمعہ فرض نہیں؟ عورتوں کی دینی تربیت اور تبلیغ کے لیے اگر کوئی دینی تعلیم یافتہ عورت علیحدہ کسی گھر یا مدرسہ میں عورتوں کو جمعہ کی نماز پڑھانے کا بندوبست کرے تاکہ عام عورتوں کو قرآن و حدیث اور دینی علوم سکھائے جاسکیں تو کیا شریعت میں اس کی اجازت و گنجائش موجود ہے؟ اگر نہیں تو پھر اسلام عورتوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے کیا لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ کیا عورت عورتوں کی نماز یا نمازِ جمعہ کی امامت کر سکتی ہے اگر کر سکتی ہے تو کس طریقے سے۔

جواب: تنہا عورتوں کی جماعت جمعہ میں تو جائز ہی نہیں۔

احترز بالرجال عَنِ النساء والصبیان فان الجمعۃ لا تصح بھم وحدھم لعدم صلاحیتھم الامامۃ فیھا بحال بحر۔ (طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۳۴۳)

اور عام نمازیوں میں بھی تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔
نماز باجماعت کا اہتمام کیے بغیر دینی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

سوال: صورت مسئلہ یہ ہے کہ میں نے عرصہ ۹ سال قبل اپنی بیوی کو ناچاقی کی وجہ سے ایک طلاق دی تھی۔ اس کا کیس ثالثی عدالت میں گیا، لیکن کونسلر نے ایک ماہ کے اندر ہی کاغذات واپس کر دیے اور حکم دیا کہ بیوی کو باقاعدہ خرچہ دیتے رہنا میں آج تک بیوی بچوں کو خرچہ دے رہا ہوں اس عرصہ میں میری بیوی میرے گھر نہیں آئی، کیونکہ اس کے عزیزوں کے کہنے کے مطابق طلاق ہوگئی ہے برائے مہربانی مجھے شرعی مسئلہ سے آگاہ کریں کہ آیا میری بیوی کو طلاق ہوگئی ہے یا وہ ابھی تک میری منکوحہ ہے۔

جواب: اگر ایک طلاق دینے کے بعد عدت کے دوران یعنی تین حیض آنے تک رجوع کے کوئی کلمات زبان سے ادا کیے مثلاً یہ کہ میں بیوی سے رجوع کرتا ہوں یا میں نے بیوی کو روک لیا یا میں نے اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا یا شہوت سے اس کو چھوا ہو یا اُس کا بوسہ لیا ہو تب تو رجعت ثابت ہو کر نکاح قائم ہے۔

اور اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوئی ہو عدت گزارنے کے ساتھ بیوی ایک طلاق بائنہ سے نکاح سے نکل گئی۔ اگر دوبارہ اکٹھے رہنا چاہیں تو فقط گواہوں کے سامنے دوبارہ نکاح پڑھوا لیں۔ فقط
واللہ تعالیٰ اعلم

بقیہ: مروجہ سنہ عیسوی

ہے کہ اتنی بڑی قوم برسوں نہیں صدیوں تک اپنے مقدس دنوں، عیدوں، تہواروں اور روزوں کے ایّام کو گُم کیے رہی اور خود اپنے اقرار کے مطابق ۱۵۸۲ء تک صحیح دنوں کی تعیین نہ کر سکی بلکہ اپنی تمام عبادات مذہبی کو اسی غلط حساب کے مطابق ادا کرتی چلی آئی ہیں سے اس امر کا بھی اندازہ لگا لیجیے کہ جس قوم نے اپنے مقدس دنوں کو گُم کر دیا وہ اپنے انبیاء کی مقدس تعلیم کو کس طرح محفوظ رکھتی تمام عیسائی دُنیا کا اپنے اصلی دنوں کو گم کر دینا اسی ضلال و اضلال کا ایک نمونہ ہے جس کے متعلق قرآنِ عظیم میں ارشاد ہے:

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ
"اے اہل کتاب اپنے دین کی بات میں ناحق کا مبالغہ مت کرو۔"

"جاہلی دَور کی نثر" اور اُس کی خصوصیات

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

اظہار مافی الضمیر کے لیے زبان اور لہجوں کی تخلیق اور ان میں تفاوت جہاں عظیم مظاہرِ قدرت میں سے ہے کہ:

وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ — اور اس (خدا تعالیٰ) کے نشانیوں میں سے آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ — اور زمین کی تخلیق اور لہجوں اور رنگوں کا اختلاف
وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ — ہے، بلاشبہ اس میں اہلِ علم کے لیے عظیم نشانات
لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ[1] — ہیں۔

وہاں انسان کی یہ وصف اُس کے ان خصائص اور ممیزات میں سے ہے جو اُسے دیگر حیوانات اور جانداروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اسی بناء پر فلاسفۂ قدیم کی تعریف "حیوانِ ناطق" سے کرتے تھے۔ دَورِ جدید میں انسان کو معاشرتی جانور کہا جاتا ہے جو اپنے نجی اور اجتماعی معاملات میں ایک دوسرے کا محتاج ہے اور اس احتیاج کو باہمی ابلاغ کے ذریعے پُورا کرتا ہے، مگر یہ مسئلہ بجائے خود مبہم اور توضیح طلب ہے کہ انسان کو "نطق و بیان" یا ابلاغ کی یہ نعمت کیونکر میسّر آسکی؟ اور کب؟ قرآنِ کریم کا اشارہ:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ — (خدا جو) نہایت مہربان (ہے) اسی نے قرآن
خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ[2] — سکھایا انسان کو پیدا کیا اس کو بولنا سکھایا۔

---

[1] الروم (۳۰ : ۲۲)

[2] الرحمان، ۵۵ : ۱-۴۔

معنی خیز تو ہے مگر چونکہ قرآنِ کریم نے بہت سے حقائق ہماری فکر و نظر کے لیے دانستہ مبہم چھوڑ دیے ہیں تاکہ ہم ان اسرار و رموز کو اپنی تحقیقات اور اپنے انکشافات کی روشنی میں حل کر سکیں جیسے کہ ارشاد باری ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ [1]

آپ کہہ دیجیے کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ اُس نے کس طرح مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔ پھر خدا ہی پچھلی بار پیدا کرے گا۔

اس لیے یہ مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ انسان بھی ابتدا میں اسی طرح کی بے معنی اور مہمل آوازیں نکالتا تھا جس طرح دوسرے جانور مختلف موقعوں پر غوں غاں قسم کی آوازیں نکالتے ہیں، مگر علم و دانش کی صلاحیتوں سے بہرہ ور "حضرت انسان" نے ان آوازوں میں رفتہ رفتہ ایک خاص ترتیب اور تنظیم پیدا کر کے اُنہیں لفظوں اور جملوں کا رُوپ دے دیا۔ اس طرح "الفاظ" اور "جملے" تشکیل و تخلیق کے مرحلے سے گُزر کر تہذیب و تزئین کے درجے کو پہنچے۔ مگر خدا ہی جانتا ہے کہ یہاں تک پہنچنے میں انسان کو کتنا عرصہ لگا، لیکن یہ امر بہر حال مسلمہ ہے کہ جب تاریخ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو انسانی "نطق و بیان" کی اوصاف ترقی پا کر عہدِ شباب و عہد کہولت میں داخل ہو چکی تھیں۔ اور انسان ہر قسم کے مضامین و افکار سے۔ نطق و بیان کے ذریعے مستفید ہو رہا تھا۔ البتہ ابتدائی دَور سے متعلق یقینی اور باوثوق طریقے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

جہاں تک "عربی زبان" کا تعلق ہے تو یہ بات طے ہے کہ وہ دُنیا کی قدیم ترین بولیوں میں سے ایک ہے۔ لغات سامیہ، جو حضرت نوح علیہ السّلام کے بیٹے سام بن نوح کی طرف منسوب ہیں دُنیا کی قدیم، مہذب اور ترقی یافتہ زبانیں ہیں۔ اُنہوں نے عرصہ دراز تک افریقہ، ایشیا اور یورپ کے کئی ممالک پر اپنی سیادت کے پرچم لہرائے ہیں۔ آج بھی یہ بولیاں علوم و فنون کا منبع اور حقائق و معارف کا مرکز ہیں۔ مگر بلاشبہ ان ہی میں عربی زبان سب سے زیادہ قدیم، سب سے زیادہ علمی و ادبی، سب سے زیادہ لطیف اور نازک اور سب سے زیادہ پائیدار زبان ہے۔ بایں ہمہ یہ مسئلہ آج بھی تشنۂ تحقیق ہے کہ یہ دُنیا کی یہ عظیم الشّان زبان کیونکر وجود میں آئی، کن کن مراحل سے گزر کر عہدِ شباب تک پہنچی، کن نامور لوگوں نے اس کی ابتدائی ترویج و اشاعت میں حصّہ لیا۔

---

[1] العنکبوت (۲۹ : ۲۰)

"بدقسمتی" یہ ہے کہ تاریخ کی روشنی پانچویں صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتی۔ اس طرح ہمارے پاس جائزہ لینے کے لیے اسلام سے قبل بمشکل "ڈیڑھ صدی" کا قلیل سرمایہ ہے، جو اس لحاظ سے غنیمت ہے کہ یہ اس دَور کے ادبی و لسانی ممیزات اور رُجحانات کو اُجاگر کرنے اور اس لسانی ماحول کو سمجھنے میں ہماری کسی قدر مدد کرتا ہے جس میں "نزول قرآن" ہُوا، مگر یہ ذخیرہ کافی اس لیے نہیں کہ اس سے تشنگی مزید بڑھ جاتی ہے اور ایک محقّق کو جن ضروری عناصر کی تلاش ہوتی ہے۔ اُن میں سے بیشتر باتیں دستیاب نہیں ہیں۔

میرا خیال ہے کہ یہاں اس بحث کو نہ چھیڑا جائے تو بہتر ہوگا کہ الجاحظ[۱]، المبرد[۲]، ابن قتیبہ[۳]، الآلوسی[۴]، الباقلانی[۵]، ابن خلکان[۶]، الکتبی[۷]، السیوطی[۸]، الیاقوت[۹]، القفطی[۱۰]، الثعالبی[۱۱]، ابوالفرج الاصفہانی[۱۲]، الباخرزی[۱۳]، المقری[۱۴]، ابن رشیق[۱۵] اور ابن الاثیر[۱۶] جیسے اہلِ علم و ادب نے ہمارے سامنے قدیم ادیبوں اور شاعروں کے حالات کے ضمن میں قدیم عربی نثر کا جو نمونہ پیش کیا ہے اس پر کس قدر اعتماد کیا جائے؟ اور اُس کی اسنادی حیثیّت کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جاہلی دَور کے متعلق کوئی ادبی و علمی تصنیف موجود نہیں ہے۔ یہ سرمایہ جو مذکورہ اہلِ قلم نے فراہم کیا ہے وہ زیادہ تر سُنی سُنائی روایات پر مشتمل ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ اس مجموعہ میں حشو و زوائد کا بھی کچھ حصّہ شامل ہوگیا ہو، لیکن چونکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ممکنہ تراش خراش (اگر ہو)، تو وہ بھی اس دَور کے ادبی و علمی رجحانات کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے کی جاتی ہے اور ہمارا مقصد اس مجموعہ سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط تو ہرگز نہیں کہ ہمیں اس کے لیے "سند متصل" اور دیگر کڑی شرائط روایت دیکھنے کی ضرورت پیش آئے، ہمارا مقصد تو صرف اس دَور کے اَدبی نمونہ ہائے کلام سے اس دَور کے ادبی و لسانی ممیزات اور تشخّصات کا کھوج لگانا اور اس پس منظر میں جاہلی سرمایۂ نظم و نثر کے ادبی پہلوؤں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ہے اور پھر یہ معلوم کرنا کہ قرآنِ حکیم کا طرزِ بیان، جملوں کی ساخت، تراکیب کی بندش، کلام کا حسن۔ لطافت اور رعنائیٔ بیان کس حد تک اپنے دَور سے مستعار ہے اور کس حد تک اس میں جدّت اور تخلیقی اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے یہ مقاصد اس سرمایہ سے

۱۔ صاحب البیان والتبیین۔ ۲۔ صاحب الکامل۔ ۳۔ صاحب عیون الاخبار۔ ۴۔ صاحب بلوغ الارب۔ ۵۔ صاحب اعجاز القرآن۔ ۶۔ صاحب وفیات الاعیان۔ ۷۔ صاحب فوات الوفیات۔ ۸۔ صاحب بغیۃ الوعاۃ۔ ۹۔ صاحب معجم الادباء۔ ۱۰۔ صاحب تاریخ الحکماء۔ ۱۱۔ صاحب یتیمۃ الدہر۔ ۱۲۔ صاحب کتاب الاغانی۔ ۱۳۔ صاحب دمیۃ القصر۔ ۱۴۔ صاحب نفح الطیّب۔ ۱۵۔ صاحب العمدہ۔ ۱۶۔ صاحب المثل السائر۔

بھی کسی قدر پُورے ہو سکتے ہیں۔

جس "دَور" کی ہم بات کر رہے ہے یہ "تاریخ ادب عربی" کا وہ دَور ہے کہ جو اگرچہ تاریخی، سیاسی، اخلاقی و معاشرتی اعتبار سے تو ہرگز قابلِ تحسین نہیں تھا، مگر ادبی و لسانی اعتبار سے یہی دَور درحقیقت ادب عربی کا سُنہری دَور کہلاتا ہے۔ اس دَور کا اَدب بعد کے اَدوار کے لیے ایک مسلمہ اور مستند حیثیّت کا حامل ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دَور میں عرب میں ٹھیٹھ بدویت کا دَور دورہ تھا اور تکلّف اور تصنّع نام کی کوئی چیز اُن کے ہاں موجود نہ تھی۔

اس دَور کی "نثر" کا مطالعہ کرتے وقت ہمارا سابقہ دو گروہوں سے پڑتا ہے۔ یہی دو گروہ تھے جو اس دَور کی نثر میں سند تسلیم کیے جاتے ہیں اور جن کے اسلُوب و ادا کو اہلِ عرب پسندیدگی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ "قسم اوّل" میں وہ لوگ شامل تھے جو اپنے مخصُوص سیاسی و عسکری مقاصد یا مالی مفادات کے تحت فصیح و بلیغ "نثر نگاری" سے کام لیتے تھے، اس طبقے کو خطباء (واحد خطیب) کہا جاتا تھا۔

"قسم ثانی" ایسے مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھی کہ جو اپنے مذہبی و منصبی اغراض کے تحت مسجّع اور مقفّیٰ نثر بولتے تھے، اس قسم میں کہان (واحد کاہن) اور عرافون (واحد: عرّاف) شامل ہیں۔

۱۔ خطباء: اس میں شُبہہ نہیں کہ خطیب اس دَور کے عربوں کے لیے سرمایۂ افتخار ہوتے تھے، قبیلے کی سیادت عام طور پر دو ستونوں پر قائم ہوتی۔ ایک طرف قبیلے کا "آتش نوا شاعر" ہوتا اور دوسری طرف شعلہ فشاں خطیب، شاعر اپنے پُرزور اور گُونج دار اشعار سے تحریک کا آغاز کرتا جبکہ خطیب اپنے متین اور شیریں بیان سے اس کی توضیح و تشریح کرتا اور نت نئے پہلوؤں سے قبیلے کے افراد کے خُون کو گرماتا بعض اوقات یہ دونوں صفات ایک ہی فرد میں جمع ہو جاتیں، تو وہ سونے پر سہاگہ سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً قس بن ساعد الایادی... (نجران)، عمرو بن معدیکرب الزبیدی اور عامر بن الطفیل وغیرہ) ایسی صورت میں اس قبیلے کی شہرت اور قسمت کو چار چاند لگ جاتے۔ جب بھی کسی قبیلے کا دوسرے قبیلے سے معارضہ یا مسابقہ ہوتا تو دونوں قبیلوں کے خطیب اور شاعر میدان میں کُود پڑتے جو جیت جاتا اس کے قبیلے کو آفرین کہی جاتی اور ہارنے والا مُنہ چُھپاتا پھرتا تھا۔ عکاظ کے میلے میں جہاں دُنیائے عرب کے مشہور شاعر اپنی فصاحت کا سکّہ جمانے کے لیے آیا کرتے۔ وہاں خطبائے عرب بھی اپنی بلاغت کے جوہر دکھلانے کے

لیے اسی میلے کا رُخ کرتے تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قس بن ساعدہ الایادی" کی ساحرانہ خطابت کو یہیں سُنا تھا اور اس سے آپ بے حد متأثر ہُوئے تھے۔[۱]

یہ مرض یہاں تک بڑھا کہ عہدِ نبوی میں ایک قبیلہ بنو تمیم جب ۹ھ میں بارگاہ رسالت میں باریاب ہُوا تو اُس نے قبولِ اسلام سے قبل اپنے خطیب اور اپنے شاعر ہونے کا معارضہ چاہا، چنانچہ بنو تمیم کی طرف سے عطارد بن حاجب نے خطبہ دیا، جبکہ مُسلمانوں کی طرف سے حضرت ثابت رضؓ بن قیس بن شماس نے اس کا جواب دیا۔ پھر اُن کے شاعر زبرقان بن بدر نے کھڑے ہوکر اپنی قوم کا مدحیہ قصیدہ پڑھا آپ کی طرف سے حضرت حسان رضؓ بن ثابت نے جواب دیا، جس پر اُنہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ہمارے خطیب سے آپ کا خطیب اور ہمارے شاعر سے آپ کا شاعر بڑھا ہُوا ہے اس پر اُنہوں نے اسلام کی اطاعت قبول کر لی۔[۲]

یہ لوگ اپنی چرب لسانی سے دوسروں کو اپنا ہمنوا بنانے، لڑائی کی آگ بھڑکانے، نفرت کی دبی ہُوئی چنگاریوں کو بھڑکانے اور سیاسی و مالی مفادات حاصل کرنے کے لیے خطابت کو سہارا بناتے اور اس میں شاذ و نادر ہی اُنہیں ناکامی کا سامنا ہوتا تھا۔

ان کی کلام حسبِ ضرورت چھوٹے چھوٹے مسجع اور مقفی جملوں پر مشتمل ہوتا، عبارت سلیس اور اسلُوب دلنشیں ہوتا۔ ضرب الامثال زیادہ استعمال کرتے، اختصار کو مدِّ نظر رکھتے اثنائے تقریر میں ہاتھ کے مخصوص اشاروں سے مفہوم کو واضح کرتے تھے۔[۳]

ہر قبیلے کے الگ الگ خطیب ہوتے تھے، چند قبائل کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

---

[۱] الباقلانی: اعجاز القرآن، ص ۲۳۱، آپ کا یہ ارشاد مبارک، انّ من البیان لسحرًا و انّ من الشعر لحکمۃ (کچھ خطبے جادو اور کچھ اشعار حکمت کا خزانہ ہوتے ہیں) اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

[۲] ابن سعد: طبقات، ۲۹۴ مطبوعہ بیروت، سورۂ الحجرات میں جس بڑی قبیلے کے آنے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حجروں کے پیچھے سے آوازیں دینے کا ذکر ہے۔ اس سے یہی قبیلہ مراد ہے۔ (دیکھیے کتب تفسیر) [۳] حسن زیات: تاریخ ادب العربی، ۵۲، ترجمہ اردو۔

نمبر شمار	نام قبیلہ	نام خطیب	جائے سکونت	تاریخ وفات
۱-	بنو ایاد	قس بن ساعدہ[1]	نجران	۶۰۰ ھ
۲-	بنو وائل (شاخ ربیعہ)	سحبان وائل (بن زفر بن ایاد[2])	شام	۵۴ ھ
۳-	بنو زبید	عمرو بن معدیکرب الزبیدی[3]	یمن	۲۱ ھ/۶۴۳ ء
۴-	بنو حمیر	دوید بن لیث بن سود بن اسلم[4]		
۵-	" "	زہیر بن خباب بن ہُبل[5]		
۶-	" "	مرتد الخیر[6]		
۷-	بنو تمیم	اکثم بن صیفی[7]		
۸-	" "	حاجب بن زرارہ[8]		
۹-	بنو بکر	حارث بن عباد[9]		
۱۰-	بنو سلمہ	عمرو بن الشرید[10]		
۱۱-	بنو کلاب	خالد بن جعفر[11]		
۱۲-	بنو عامر	علقمہ بن علاثہ[12]		
۱۳-	" "	عامر بن الطفیل[13]		
۱۴-	بنو شیبان	قیس بن مسعود[14]		
۱۵-	بنو فزارہ	حذیفہ بن بدر[15]		
۱۶-	" "	ربیع بن ضبیع[16]		
۱۷-	بنو کندہ	الاشعث بن قیس[17]		

---

[1] دیکھیے احمد زکی: جمہرۃ خطب العرب - ۱: ۳۵ [2] حسن زیات: تاریخ ادب عربی، ص ۱۲ [3] ایضاً - ص ۵۵ -
[4] الآلوسی: بلوغ الادب، ص ۱۵۲ [5] ایضاً، ص ۱۵۳ [6] ایضاً، ص ۱۵۵ [7] جمہرۃ خطب العرب، ص ۲۱، [8] ایضاً ص ۲۸ [9] ایضاً، ص ۲۳ - [10] العقد الفرید، ۱: ۱۰۴
[11] ایضاً - ص ۱: ۱۰۴ [12] ایضاً [13] ایضاً، ص ۱۰۵ [14] ایضاً [15] جمہرۃ خطب العرب، ۱: ۱۲ [16] بلوغ الادب، ۳: ۱۶۰ [17] ایضاً، ۱۱: ۱۲

نمبر شمار	نام قبیلہ	نام خطیب	جائے سکونت	تاریخ وفات
۱۸	قریش	ہاشم بن عبد مناف[۱]		
۱۹	″	عبد المطلب بن ہاشم[۲]		۵۷۸ء
۲۰	″	ابوطالب بن عبد المطلب[۳]		۱۰ن/۶۱۹ء
۲۱	بنو مدحج	حارث بن کعب[۴]		
۲۲	بنو عبس	قیس بن زہیر[۵]		
۲۳	بنو کنانہ بن القین	ابو الطمحان[۶]		
۲۴	بنو عدوان	ذوالاصبع[۷]		
۲۵	″ ″	ابوسیادہ[۸]		
۲۶	بنو تغلب	عمرو بن کلثوم[۹]	ساحل فرات	

(۲) کاہن اور عرّاف

دوسرا اہم طبقہ جس کی نثر دورِ جاہلی میں معروف تھی، وہ دورِ جاہلی کے کاہنوں اور قیافہ شناسوں (عراف) پر مشتمل تھا یہ لوگ مذہبی ضرورت سے مسجع اور مقفّٰی کلام بولتے اور بات کو مبہم اور غیر واضح رکھنے کے لیے لفظوں کے گورکھ دھندوں کا سہارا لیتے، اہلِ عرب چونکہ توہم پرست اور ضعیف الاعتقاد تھے اس لیے وہ بہت سے معاملات (مثلاً بیوی کی پاکی معلوم کرنے، بیٹے کا نسب دریافت کرنے، بدشگونی یا نیک فال لینے، بھوت پریت سے نجات حاصل کرنے وغیرہ کے لیے کاہنوں کا رُخ کرتے تھے۔ اس طرح اُن کی دکانیں چلتی رہتی تھیں، لیکن اس کے لیے مسجع نثر کے علاوہ لفظوں کے ہیر پھیر، موقع شناسی، برجستہ گوئی، زمانہ سازی وغیرہ کی بہت سی خوبیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ جو ان لوگوں میں پیدائشی طور پر موجود ہوتی تھیں، اس میں عجیب بات یہ ہے کہ مردوں کے شانہ بشانہ عورتیں بھی مصروف عمل تھیں اور چالبازی اور چالاکی میں وہ مردوں سے کئی قدم آگے ہوتی تھیں۔

عرب کے مشہور کاہن مرد اور عورتیں حسبِ ذیل ہیں:

---

[۱] بلوغ الادب، ۱: ۳۲۲ [۲] ایضاً، ۱: ۳۱ [۳] ایضاً، ۱: ۳۸ [۴] ایضاً، ۳: ۱۵۷ [۵] ایضاً، ۳: ۱۵۹ [۶] ایضاً ۳: ۱۶۲ [۷] ایضاً، ۳: ۱۶۳ [۸] ایضاً، ۳: ۱۷۰ [۹] تاریخ ادب عربی، ص ۱۲۹۔

نمبر شمار	نام قبیلہ	نام کاہن / کاہنہ	جائے سکونت	تاریخ وفات
۱-	بنو قضاعہ	عزّی، سلمہ بن ابی جید [۱]	شام	حرب الفجار سے پہلے
۲-	بنو انمار بن نزار	شق بن مصعب الکاہن [۲]	״	بعد از عام الفیل
۳-	بنو ذئب بن عدی	سطیع بن مازن بن غسان [۳]	״	״ ״ ״
۴-	بنو خزاعہ	جد عمرو بن الحمق [۴]	عسفان (مکّہ سے دو منزل پر)	ہاشم بن عبد مناف کا معاصر تھا۔
۵-	بنو اسد	عوف بن ربیعہ [۵]		معاصر
۶-	بنو تمیم	سلمہ بن الفضل [۶]		
۷-	نامعلوم	نامعلوم	یمن	معاصر عتبہ قریش
۸-	بنو دوس	سوادین قارب [۷]	سراۃ (سلسلۂ کوہ)	
۹-	بنو حمیر	خنافر بن التوم الشغثاء الکاہنہ [۸]	صنعاء (یمن)	۱۰ھ میں موجود تھا۔
۱۰-	جد بنو خفضہ، وبنو الاوس والخزرج	طریفہ انجیر (زوجہ عمر بن مُزیقاء)	یمن	سیل مآرب سے قبل
۱۱-	بنو امام قضاعہ	زبرا الکاہنہ [۱۰]	یمن	
۱۲-	بنو حمیر	عفیراء الکاہنہ [۱۱]	״	دورِ اسلام کے قریب
۱۳-	بنو خثعمہ	فاطمہ بنت حر الخثعمیہ [۱۲]	مکّہ مکرّمہ	معاصر عبداللہ بن عبد المطلب (والد گرامی)

---

[۱] اعیدانی: مجمع الامثال۔ ۱: ۳۰؛ بلوغ الارب۔ ص ۲۷۸-۲۸۲ [۲] ابن ہشام: سیرۃ۔ مشہور ہے کہ اس کے جسم کا صرف نصف حصّہ تھا۔ یعنی ایک آنکھ ایک ٹانگ اور ایک بازو (جمہرۃ۔ ۱: ۳۳۱) [۳] پورا نام ... ربیع بن ربیعہ بن مسعود، تین سو سال کے لگ بھگ عمر پائی اس کے عجیب وغریب حالات آتے ہیں جن پر مشکل ہی یقین کیا جاسکتا ہے مثلاً یہ کہ اُس کا سر اور گردن غائب تھے مُنہ سینے میں تھا، سارا جسم یکساں تھا، ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا نہ تھے، سوائے غصے کی حالت کے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ جسم اتنا نرم تھا کہ اس کو کپڑے کی طرح لپیٹ لیا جاتا تھا (جمہرۃ خطب العرب ۱: ۳۲۹)، [۴] جمہرۃ خطب العرب، ۱: ۳۱۶-۳۱۷ [۵] الکامل لابن الاثیر، ۱: ۱۸۳ الشعر والشعراء، ص ۳۱ [۶] الاغانی، ۱۵: ۷۰، [۷] عقد الفرید، ۳: ۲۲۴ [۸] الاغانی، ۲: ۲۹۲ [۹] الاغانی، ۱: ۲۹۲۔ مجمع الامثال، ۱: ۹۱۔
[۱۰] ابن بدرون: شرح قصیدن ابن عبدون، ص ۹۸ [۱۱] الامامی، ۱: ۱۲۹ [۱۲] بلوغ الارب، ۳

جن افراد کا سطور بالا میں ذکر ہوا، جاہلی دور کے یہی مایہ ناز "نثار" تھے استشہاد اور استناد کے لیے انہی افراد کا نام پیش کیا جاتا ہے اور اس میں شبہہ نہیں کہ واقعی ان کی نثر پُر زور اور پُر تاثیر ہے، لیکن اگر قرآنِ مجید اور حدیثِ نبوی کے تحت جو ادب فروغ پذیر ہوا اس سے اس کا موازنہ کر کے دیکھیں تو اس میں حسبِ ذیل بھاری نقائص نظر آتے ہیں:

۱- معانی سے زیادہ زور الفاظ پر دیا جانا

۲- سجع بندی میں اس قدر مبالغہ کرنا کہ وہ خوامخواہ کی پُر تکلّف عبارت نظر آئے۔

۳- سجع بندی کی کوشش میں بھونڈے اور نامانوس الفاظ کا لانا۔

۴- غیر مناسب الفاظ سے معانی میں ابہام اور اخفا پیدا ہو جانا۔

۵- آمد سے زیادہ آورد کا ہونا۔

۶- معانی میں وسعت اور گہرائی کم ہونا۔

۷- ایک ہی طرح کے مضامین کو بار بار نئے نئے پیرایوں میں بیان کرنا۔

۸- علوم و فنون کے لیے استعمال نہ کیا جانا۔

اس طرح دورِ جاہلی کی اس زبان کو جو اُن کے ہاں رائج تھی، کسی صورت میں ہم وہ زبان نہیں کہہ سکتے جو بعد میں اسلامی دور میں فروغ پذیر ہوئی، کیونکہ اس میں سراسر جمود تھا اور اس میں تسلسل اور روانی ہے اُس میں سطحیت اور لفاظی تھی، جبکہ اس میں وسعت اور گہرائی ہے

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

حاصلِ مُطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

مدارِ نجات اللہ کی رحمت ہے نہ کہ اعمال

انسان اس بات کا مکلّف ہے کہ اللہ اور اللہ کے رُسول حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بتلائے ہُوئے طریقہ پر چلتا رہے، جن چیزوں کے کرنے کا حُکم دیا گیا ہے اُنہیں بجالاتا رہے اور جن چیزوں کے کرنے سے روک دیا گیا ہے، اُن سے رُک جائے۔ اسی میں سلامتی اور اسی میں نجات ہے، لیکن انسان اپنے کسی بھی عمل پر فخر اور گھمنڈ نہ کرے کیونکہ نجات کا مدار اللہ کی رحمت ہے نہ کہ اعمال جس کسی کی بھی مغفرت ہو گی۔ اللہ کی رحمت کے سبب ہو گی نہ کہ اعمال کے سبب، حدیث میں آتا ہے۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے سوال کیا کہ کیا کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنّت میں داخل نہیں ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنّت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مَیں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رُسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کیا آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنّت میں نہیں جائیں گے؟ آپ نے اپنے سر مُبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ہاں مَیں بھی نہیں جاؤں گا۔ اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں۔ یہ بات بھی آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔" [۱]

الغرض انسان کی مغفرت کا اصل سبب تو اللہ کی رحمت ہے، لیکن چونکہ دُنیا دارالاسباب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کو نجات کا ظاہری سبب بنا دیا ہے اور وہ انسان کی مغفرت اس کے کسی ایسے عمل کے سبب فرما دیتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ ذیل میں مغفرتِ خُداوندی کے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جن سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۱۱۵

پیاسے کُتّے کو پانی پلانے کے سبب کنجری کی مغفرت ہو گئی ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ایک کنجری کی مغفرت کر دی گئی ۔ (سبب یہ ہُوا کہ) وہ ایک کُتّے کے پاس سے گزری جو شدّتِ پیاس کے سبب زبان نکالے کنویں کے کنارے پر کھڑا تھا ۔ قریب تھا کہ اسے پیاس قتل کر دیتی ۔ اس عورت نے اپنا موزہ اُتارا اور اُسے دوپٹہ سے باندھ کر کنویں سے پانی نکالا اور کُتّے کو پلا دیا بس اس عمل کی بدولت اس کی مغفرت ہو گئی ۔[1]

مسلمانوں کے راستے میں تکلیف دینے والی ٹہنی ہٹا دینے کے سبب مغفرت ہو گئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ایک شخص گزر رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک درخت کی ٹہنی نظر پڑی اس نے کہا کہ میں مسلمانوں کے راستے سے اس ٹہنی کو ضرور ہٹا دوں گا تاکہ اُنہیں تکلیف نہ ہو ۔ بس اس عمل کے سبب اس کی مغفرت ہو گئی ۔[2]

ایک بلّی کے بچّہ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی وجہ سے مغفرت ہو گئی

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا پُوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہُوا ۔ فرمایا جب میں پیش کیا گیا تو پُوچھا گیا کہ اے بایزید یہ کیا لائے، مَیں نے سوچا کہ نماز روزہ وغیرہ سب اعمال تو اس قابل نہیں کہ پیش کروں، البتّہ ایمان تو بفضلہٖ تعالیٰ ہے، اس لیے عرض کیا کہ توحید : ارشاد ہُوا "اما تذکر لیلۃ اللّبن" یعنی دُودھ والی رات یاد نہیں ؟ قصّہ یہ ہُوا تھا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے ایک شب پیٹ میں درد ہو گیا تو اُن کی زبان سے نکل گیا کہ دُودھ پیا تھا اس سے درد ہو گیا ۔ اس پر شکایت ہُوئی کہ درد کو دُودھ کی طرف منسوب کیا اور فاعلِ حقیقی کو بھُول گئے حالانکہ ؎ درد از یار است درماں نیز ہم پھر ارشاد ہُوا کہ اَب بتلاؤ کیا لائے، عرض کیا اے اللہ کچھ نہیں، فرمایا کہ ایک عمل تمہارا ہم کو پسند آیا ہے اس کی وجہ سے بخشتے ہیں، ایک مرتبہ ایک بلّی کا بچّہ سردی میں مر رہا تھا تم نے اس کو لے کر اپنے پاس

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶۸ - - - - - - - - - ایسا ہی ایک مرد کے پانی پلانے اور اس کی مغفرت کے ہو جانے کا واقعہ بھی بخاری شریف ج ۱ ص ۳۱۸ میں مذکور ہے ۔ [2] مشکوٰۃ ص ۱۶۸،

...گیا، رہ گئی ساری کی ساری بزرگی اور تمام حقائق اور دقائق و معارف سب کالعدم ہو گئے۔"[1]

...روں کے شکستہ ہوجانے کے سبب مغفرت ہو گئی

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

الرحمت المہداۃ میں ہے کہ ایک نبی علیہ السّلام ایک مقبرہ پر گزرے جس میں نئی سی قبریں بنی ہوئی تھیں اور پاس گئے تو ...علوم ہوا کہ اکثر مُعذّب ہیں۔ دُعا کی اور آگے گزر گئے، کچھ عرصہ کے بعد پھر وہاں گزر ہوا جبکہ ...یں شکستہ ہو گئی تھیں۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب کے سب مغفور اور رَوح و ریحان میں ہیں، حیرت ...ئی اور جناب باری میں عرض کیا کہ مرنے کے بعد اُن کا کوئی عمل تو ہوا نہیں پھر مغفرت کا سبب کیا ...وا؟ فرمایا جب ان کی قبریں شکستہ ہو گئیں اور کوئی اُن کا پوچھنے والا نہ رہا تو مجھے رحم آیا اور مغفرت کر دی۔[2]

...بچّہ کو بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم پڑھانے کے سبب باپ کی مغفرت ہو گئی۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ایک قبر پر سے گزر ہوا آپ نے (بطورِ ...شف) دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میّت کو عذاب دے رہے ہیں، آپ آگے چلے گئے اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ دوبارہ یہاں سے گزرے تو اس قبر پر رحمت کے فرشتے دیکھے جن کے ساتھ نور کے طبق ہیں، آپ کو اس پر تعجب ہوا، آپ نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اے عیسیٰ یہ بندہ گنہگار تھا اور جب سے مرا تھا عذاب میں گرفتار تھا۔ یہ مرتے وقت اپنی بیوی چھوڑ گیا تھا، اس عورت نے ایک فرزند جنا اور اُس کی پرورش کی یہاں تک کہ بڑا ہوا اس کے بعد اُس عورت نے اس فرزند کو مکتب میں بھیجا استاذ نے اسے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم پڑھائی، پس مجھے اپنے بندے سے حیا آئی کہ میں اسے آگ کا عذاب دوں زمین کے اندر اور اس کا فرزند میرا نام لیتا ہے زمین کے اوپر۔[3]

چند چھوٹی چھوٹی رکعتیں مغفرت کا سبب بن گئیں

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کو وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، آپ نے کہا۔

---

[1] وعظ احسان الاسلام ص ۱۴ [2] خاتمۃ السوانح ص ۱۲۳ [3] تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۷۲

"فَنِیَتِ الْحَقَائِقُ وَالْاِشَارَاتُ وَ نَفِدَتِ الرُّمُوْزُ وَالْعِبَارَاتُ وَمَا نَفَعَنَا اِلَّا رُکَیْعَاتٌ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ"

یعنی سارے علوم وحقائق وغیرہ فنا ہو گئے۔ یہاں کچھ کام نہ آئے اگر کچھ کام آئیں تو صرف وہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں کام آئیں جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا۔ یعنی تہجد"۔[1]

ایک بُڑھیا کو روزانہ مسائل بتانا سبب مغفرت بن گیا

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت ابو سعید شحّام رح کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت سہل صعلو کی رحمہ اللہ کو اُن کی وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر "اَیُّھَا الشیخ" کے الفاظ سے مخاطب کیا تو وہ مجھے ٹوک کر کہنے لگے کہ اب شیخ کہنا چھوڑ دو، ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس لقب کے ساتھ میں نے آپ کو اس لیے پکارا کہ آپ کے حالات دُنیا میں بالکل شیخوں ہی سے ملتے جلتے تھے۔ اس پر سہل رح کہنے لگے "لَمْ تُغْنِ عَنَّا" بھائی وہ دُنیا کی تمام نیکیاں کچھ کام نہ آسکیں۔ (ابو سعید ان کلمات کو سُن کر ایک دم سہم گئے) عرض کرنے لگے اچھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے فقط ان مسائل کے بتلانے کے سبب بخش دیا جو فلاں بُڑھیا روزانہ آکر مجھ سے پُوچھا کرتی تھی۔[2]

ان واقعات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کی مغفرت محض اللہ کی رحمت کے صدقہ ہوتی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ہر وقت اعمالِ خیر میں مصروف رہنا چاہیے کیونکہ نہ معلوم کونسا عمل اس کی نجات کا سبب بن جائے۔ لیکن یہ سوچ کر کہ اللہ غفور الرّحیم ہیں۔ نکتہ نواز ہیں۔ اُنہیں کوئی سا عمل پسند آگیا تو نجات ہو جائے گی۔ اعمال کو چھوڑنا نہیں چاہیے کیونکہ اس کی کوئی گارنٹی نہیں کہ اسے ضرور کوئی عمل پسند آجائے گا، ہو سکتا ہے اسے کوئی عمل بھی پسند نہ آئے۔ العیاذ باللہ اس لیے عمل کرتے رہنا چاہیے۔ نیز ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ اپنی عبادت وطاعت پر فخر وغرور نہیں کرنا چاہیے اور کسی کو ذلیل وحقیر نہیں سمجھنا چاہیے دُعا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ خاص اور رحم وکرم سے ہماری مغفرت فرمائے۔ آمین۔

---

[1] الافاضات الیومیۃ ج ۷ ص ۲۸۶ و احیاء العلوم ج ۴ ص ۵۰۸۔

[2] احیاء العلوم عربی ج ۴ ص ۵۱۰

زبدۃ الحکما حکیم نورُ احمد

صحت و تندرستی ہزار نعمت ہے

سیدالمرسلین جناب کالی کملی والی سرکار نے صحت کو انمول خداوندی بخشش تسلیم فرمایا۔ بین الاقوامی دُنیا کے باشندے مختلف اور رنگارنگ کے کام کرتے ہیں۔کوئی تجارت کرتا ہے تو کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے۔ کوئی پہاڑوں کی سینکڑوں فٹ کی چوٹیاں سر کرنے کا دھندہ رچائے ہُوئے ہے۔ لوگوں کی ایک جماعت کان کنی کے ذریعہ کوئلہ۔ سونا اور ہیرے جواہرات نکال کر پیٹ پُوجا کر رہی ہے۔حکومت کی امداد سے ایک جماعت ڈیزل۔ پٹرول اور مائع گیس کے ذخیرے دریافت کر کے ملکی دولت میں اضافہ کر رہی ہے۔اِن سب کی صحت تندرستی کے لیے حکیم اور ڈاکٹر صاحبان اپنی ذمہ داریاں پُوری کر رہے ہیں۔یہ سب کام فخرِ دو عالم جناب امام الانبیا کے جاری فرمودہ سُنّت کے مطابق عمل میں لائے جا رہے ہیں۔حدیث کی مشہور کتاب نسائی میں حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث ہماری راہنمائی کے لیے قیامت تک روشنی فراہم کرتی رہے گی۔ حدیث مبارکہ "اِنَّ النّاس لم یعطوا افضل من العفو والعافیہ"
ترجمہ: یہ ہے کہ عوام الناس کو صحت کے مقابلے کوئی خوشی اور دولت زیادہ خوش باش رہنے والی نہیں عطا فرمائی خداوندکریم نے۔ دُنیا کے آزاد خیال اور اُونچے محلوں والے اور دولت روٹی نہ ملنے والے سب صحت اور تندرستی کی پوری قدر نہیں کرتے۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی پینے والوں کو اس آبادی کی کیا قدر جسے نمکین اور شور پانی پینے کو ملتا ہے۔ بجلی کے پنکھوں کی بہار لوٹنے والے گرم لو اور تیز دُھوپ میں خُون پسینہ ایک کرنے والوں کی قدر کیا جانیں۔ دُنیا بھر کے تنگ حال اور شکوہ شکایت کرنے والوں کو کملی والی سرکار کے ارشادات ہی تسلّی اور سُکھ چین کا مژدہ سُنا سکتے ہیں۔حدیث پاک کے مطالعہ سے قیامت تک بھُولے بھٹکے اور روٹی کپڑا مکان کا نعرہ لگانے والوں کو تسلّی اور اطمینان ہوتا رہے گا۔ سیرتِ رسُول کے خزانے سے حضورؐ کے ایک صحابی کی بات چیت بھی ہمارے دُکھوں کا سہارا ہو سکتی ہے حضرت ابی الدرداؓ کا بیان حدیث پاک کے ذریعہ ہمیں یہ خوش خبری رہتی دنیا تک بتلاتا رہے گا۔ بیان جناب

صحابی" مَیں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اگر مجھے صحّت اور عافیت حاصل رہے تو مَیں شُکر کرتا ہوں۔ یہ بات اس امر کے مقابلے میں مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں بیماری سے آزمائش میں پڑوں اور صبر کروں "۔

رحمت للعالمین نے صحابی کا یہ دُکھڑا اسُن کر ارشاد فرمایا اور ڈھارس بندھائی "وہ رسول اللہ یُحبّ

ہم گنہگاروں کے لیے حضور پاک نے دریائے رحمت کی سند عطا فرمادی۔ صحّت جیسی انمول نعمت جسے ہادی برحق خود بھی پسند فرمائیں اس کی خواہش کس اُمّتی کے دل میں پیدا نہ ہو۔ حضورؐ کی اس مبارک تعلیم کے ذریعے ہم گنہگار بخشے جائیں گے ایک مستانے کا شعر کیسا حسبِ حال ہے۔

ہم گنہگاروں کا پردہ حشر میں رہ جائے گا
ہم غلام اس کے ہیں جس کی ذات پردہ پوش ہے

اس جذبے اور خوشخبری پر تکیہ کیے ہُوئے اللہ کے وہ بندے جو ہر حال میں صبر شُکر کرتے ہیں اور بیماری کو ترقی درجات کا ذریعۂ تصوّر کرتے ہیں۔ بیمار ہونے پر دُعا کرتے ہیں کہ مالکُ الملک بیماری کی نعمت کو صحّت جیسی عظیم تر نعمت میں بدل دے۔ یہ عاشقانِ رسُول تو سرکارِ مدینہ کے اُسوہ حسنہ کے شیدائی یوُں گنگناتے پھرتے ہیں۔

جس حال میں رکھے تو مولا
اُس حال میں خوش ہیں ہم مولا

کھانا شروع کرنے سے پہلے یادِ خُدا

کھانا کھانے سے پہلے یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کریں۔ " بسم اللہِ وَعَلیٰ برکۃ اللہِ اِن مبارک کلمات کا ترجمہ یہ ہُوا کہ مَیں اِس کھانے کو اللہ کریم کے نام سے شروع کرتا ہُوں اور اس کی عطا فرمائی ہُوئی برکت کا طلبگار ہُوں۔ ہمارے محُسن حضور نبیٔ کریم نے کھانا شروع کرنے سے پہلے ہمیں اسبات کا احساس دیا آباد دُنیا کا تیسرا حصّہ دو وقت کی روٹی سے بھی محروم ہے۔ یہ کرم نیلی چھت والے کا ہے کہ میرے سامنے پیٹ بھر کر اطمینان حاصل کرنے کے لیے یہ روٹی عطا فرمادی ہے۔ ہماری کاروباری مصروفیت کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے پُوری بسم اللہ نہیں سکھلائی بلکہ بھوک کی خواہش سے اطمینان حاصل کرنے کے لیے بسم اللہ شریف کے آدھے الفاظ ادا کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ آزاد خیال دُنیا آج یہ شور مچارہی ہے کہ اللہ تبارک کا نام لینے سے بھوک کا کیا تعلق ہے۔ اس رنگا رنگ کی دُنیا میں آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا

ذکر کرنے والے چند لقمے کھا کر سُرخ و سفید اور جلالت والے چہرے اور دِل کی دُنیا بدلنے والی خوش الحان آواز کے مالک ہیں۔ ہمارے جذبات اور خیالات پاکیزہ ہو جائیں تو روحانیت اس قدر ترقی کرتی ہے کہ مادہ پرست معاشرہ اس کا تصوّر ہی نہیں کر پاتا۔ حکیم الاُمّت علّامہ اقبال نے کیا خوب شعر کہا۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اخبار بین حضرات یاد کر سکیں گے کہ لارڈ کچنر قاہرہ میں ایک مردِ مومن کے نعرے کو سُن کر بول اُٹھا تھا کہ اِس بُوڑھے مُسلمان کے نعرے سے میرا مضبوط دِل کانپ جاتا ہے۔

میرے مطب واقع عبدالکریم روڈ لاہور میں روزانہ دو چار مرد عورتیں یہ شکایت کرتے ہیں کہ پریشانی نے بھُوک پیاس ختم کر دی ہے۔ بعض مریض یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حکیم صاحب اس معدے اور اعصابی کمزوری نے ہمیں صُبح سویرے نُور کے تڑکے اُٹھ کر خُدا کے نام لینے کی توفیق دے دی ہے۔ خُدا کے رسُول نے ہمیں یہ بھی تربیت دی کہ ایمان کی دولت سے تھوڑا کھانا بھی زیادہ غذائیت والا بن جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسولِ خُدا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے اِس دوران ایک اعرابی آیا اور اس نے دو لقموں میں سارا کھانا چٹ کر لیا۔ اس پر رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتا تو یہی کھانا تم سب کے لیے کافی ہوتا۔ اب ذرا دماغ پر بوجھ ڈالیے اور ایک عدد مُرغی کا انڈہ لے لیجیے۔ امام فن طب شیخ بوعلی ابن سینا نے انڈہ کو کسی بھی جاندار ہستی امانت بردار تسلیم کیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ انڈہ سے بچّہ جنم لیتا ہے۔ حکیم صاحبان کی تحقیقات کے مطابق انڈہ جلد ہضم ہونے والی غذا ہے۔ کھانے کے بعد دو گھنٹے کی مدت میں عمدہ خُون پیدا کر دیتا ہے۔ اِس میں تیرہ فیصد پروٹین جس سے خُون خالص بنتا ہے، خداوند کریم نے شامل فرما دی ہے۔ یہ معدہ میں داخل ہو کر جلد خُون میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کمی خُون اور بیماری سے اُٹھے ہُوئے اور اعصابی کمزوری والوں کے لیے یہ عام ملنے والی عمدہ غذا ہے۔ تعلیم یافتہ گھرانوں میں تو آج کل شیر خوار بچّوں تک روزانہ صُبح فرائی یا ہاف بوائل انڈہ بڑے اہتمام سے کھلایا جاتا ہے۔ بعض گھرانوں میں اَب چھ ماہ کے بچّوں کو ایک انڈہ ضرور صُبح کے وقت دیا جاتا ہے۔ اسے نوٹ کر لیں کہ انڈہ کی ٹکی زیادہ بھُونی ہُوئی قولنج یعنی آنتوں کی سخت درد پیدا کر دیتی ہے۔

تبصــــرہ

آسان مقدمۃ الصرف

بطرز ارشاد الصــرف

یہ کتاب نہایت سہل اور آسان اُردو میں ابتدائی طلبہ کے لیے مرتب کی گئی ہے جو علم صرف سے ناآشنا ہیں۔ یہ مستقل کتاب نہیں بلکہ صرف کی جو کتابیں مدارس میں داخل نصاب ہیں اُن سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے اس کو مرتب کیا گیا ہے تاکہ طلبہ علم صرف کی داخل نصاب کتابوں سے کما حقہٗ فائدہ اُٹھا سکیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ حضرت مفتی محمّد عیسٰی صاحب مدّ ظلہٗ (مفتی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) اور حضرت مولانا احمد عبد الرّحمٰن مدّ ظلہٗ نوشہرہ۔ ان جیسے بزرگوں نے اس کتاب کو اپنے اداروں میں داخلِ نصاب کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مدارس میں شامل نصاب ہے۔ اور یہ مسقط کے پاکستانی مدرسہ میں بھی داخل نصاب ہو چکی ہے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل جگہوں پر دستیاب ہے۔

مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ مکتبہ سیّد احمد شہید، الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ مکتبہ سبحانیہ، بانو بازار رحیم یار خاں۔ مکتبہ ضیاء القرآن، مدرسہ ضیاء القرآن سرگودھا۔ مکتبہ نعمانیہ بالمقابل جامعہ امدادیہ فیصل آباد۔ مکتبہ حلیمیہ، بالمقابل جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ۱۶۔ مکتبہ حنفیہ اُردو بازار گوجرانوالہ۔

○

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی وقرأت سبعہ وعشرہ اور راویت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔ (شکریہ)

طالبانِ علم کیلئے خوشخبری

جامعہ کے علمی و روحانی فیض کی ایک دُنیا معترف چلی آرہی ہے، کون نہیں جانتا کہ اس سے پھُوٹنے والی نُورِ نبوّت کی کرنوں سے ملک کا گوشہ گوشہ روشن ہے۔ جہاں سے بحمداللہ فیض در فیض کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری وساری ہے۔ بیرون ملک بھی فیض یافتگانِ جامعہ دینی خدمات انجام دے کر تشنگانِ علم وحکمت کی پیاس بجھاکر روحانی تسکین کا سامان کر رہے ہیں جو بجائے خود جامعہ کی نیک نامی اور حضرت اقدس بانی جامعہ قدس اللہ سرہ العزیز کے درجات کی بلندی کا سبب بھی ہے۔

بحمداللہ جامعہ کو ہمیشہ یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ اس میں ہمیشہ کتاب پر پُوری طرح حاوی اور گہری نظر رکھنے والے ماہرینِ فن اساتذہ کرام ہی مسند تدریس پر متمکن رہے ہیں جو تقوی طہارت میں بھی اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ماشاءاللہ آج بھی جامعہ کا یہ امتیاز اس کو ملک بھر میں ممتاز کیے ہُوئے ہے۔

اپنے انھی امتیازی کمالات کے عروج کی خاطر امسال جامعہ میں ایک نئے استاذ حدیث حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہٗ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ موصوف درس و تدریس کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ جامعہ امدادیہ فیصل آباد میں سال گزشتہ تک طویل عرصہ سے دورہ حدیث شریف کے استاذ رہے اس سے قبل بھی دیگر مدارس میں حدیث شریف کی خدمات انجام دیتے آرہے ہیں۔

اللہ پاک مولانا کی جامعہ میں آمد کو اُن کے اور جامعہ کے لیے خیر و برکت کا باعث بنائے آمین۔ انشاءاللہ جامعہ میں نئے سال کا داخلہ ۱۰ شوال سے شروع ہو رہا ہے۔

"دفتر تعلیمات جامعہ مدنیہ"